

عورت اور اسلام

مولانا سید جلال الدین عمری

فہرست مضامین

۷	دیباچہ طبع اول
۹	طبع جدید
۱۱	نورت کی عظمت اور خاندان کی تعمیر میں اس کا کردار
۱۱	عورت کی محکومی کے خلاف اسلام کی صدائے احتجاج
۱۲	اسلام - مساوات مرد و زن کا پہلا علم بردار
۱۳	عورت اور مرد کی کام یابی ایمان و عمل سے وابستہ ہے
۱۴	عورت کا میدان کار اس کا گھر ہے
۱۴	دو اعتراضات اور ان کا جواب
۱۶	دائرہ عمل کیوں الگ ہو؟
۱۶	پہلی وجہ — عفت و عصمت کی حفاظت
۱۷	دوسری وجہ — صلاحیتوں کا فرق
۱۸	گھر چھوڑنے میں عورت کا نقصان ہے
۱۹	گھر کی بنیادی اہمیت ہے
۱۹	گھر میں عورت کی خدمات

۳ مسلمان عورت - گھر اور خاندان میں

۲ ماں کا احترام

۹ بیوی کے حقوق

۵ لڑکی سے محبت اور اس کے تقاضے

۰ بہن کی خدمت اور کفالت

۵ مسلمان عورت کی تاریخ - ایمان اور عبادت کے نقوشِ تاباں

۵ قبولِ اسلام میں سبقت

۷ دین پر استقامت

۰ ذوقِ عبادت

۱ نماز کا اہتمام

۱ نماز باجماعت میں شرکت

۲ ذکر و تسبیح

۸ کثرتِ عبادت

۰ روزے کا شوق

۲ جذبہٴ انفاق

۲ حج اور عمرہ

۷ مسلمان عورت - علم و فضل کے میدان میں

۷ حضرت عائشہؓ

۹ حضرت ام سلمہؓ

۹ حضرت حفصہؓ

۰ حضرت ام حبیبہؓ

۰ حضرت میمونہ بنت الحارثؓ

۸۱	حضرت لبابہ بنت الحارثؓ
۸۱	حضرت ام ہانی بنت ابی طالبؓ
۸۱	حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ
۸۲	حضرت خولہ بنت حکیمؓ
۸۳	حضرت نسیمہ بنت کعب (ام عطیہ)
۸۳	بعض دیگر صحابیات
۸۲	حضرت فریحہ بنت مالکؓ
۸۳	ام الدرداء الحیمہؓ
۸۶	عمرہ بنت عبدالرحمنؓ
۸۷	حفصہ بنت سیرینؓ
۸۸	عائشہ بنت سعد بن وقاصؓ
۸۸	عائشہ بنت طلحہؓ
۸۹	حیرہ ام الحسنؓ
۸۹	سیدہ نفیسہؓ
۸۹	بنت سعید بن المسیبؓ
۹۲	الموید زینب بنت ابوالقاسمؓ
۹۲	شہدہ بنت ابی نصرؓ

۹۵ سلمان عورت - دینی، سماجی اور سیاسی خدمات

۹۵	دعوت و تبلیغ
۱۰۱	معاشرتی تعلقات
۱۰۵	سماجی خدمات
۱۰۶	سیاسی محاذ پر

دورِ حاضر میں مسلم خواتین کی ملازمت کا مسئلہ

خاندان میں مرد اور عورت کے فرائض

تعلیم یافتہ خواتین میں ملازمت کا رجحان

سوال: ۱ شریعتِ اسلامی خواتین کے لیے کسبِ معاش کو

کس نظر سے دیکھتی ہے؟

سوال: ۲ کیا شریعت نے خواتین پر نان و نفقہ کی ذمہ داری رکھی ہے؟

سوال: ۳ معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لیے معاشی جدوجہد کا کیا حکم ہے؟

سوال: ۴ کیا اندرونِ خانہ معاشی سرگرمیوں کے لیے بھی ولی یا شوہر کی اجازت

ضروری ہے؟

سوال: ۵ گھر سے باہر معاشی جدوجہد سے متعلق احکام

سوال: ۶ خواتین کے لیے ملازمت کے شرعی حدود

سوال: ۷ ملازمت کرنے والی خواتین کے لیے پردے کے احکام

(الف) چہرے اور ہاتھ کا پردہ

(ب) نامحرم خاتون سے گفتگو کا مسئلہ

(ج) جوان عورت اور سن رسیدہ عورت کے احکامِ حجاب میں فرق

بعض غور طلب پہلو

کتابیات

دیباچہ طبع اول

موجودہ دور میں اسلام کے بارے میں، جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں یا بالقصد پیدا کی جاتی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اسلام نے عورت کو مرد کے برابر حیثیت نہیں دی ہے اور اس کی تگ و دو پر اتنی پابندیاں عائد کر دی ہیں کہ وہ زندگی کی دوڑ میں ازمًا پیچھے رہ جاتی ہے اور ہمیشہ مرد کی دست نگر رہتی ہے۔ حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے سب سے پہلے مساواتِ مرد و زن کا علم بلند کیا۔ اس نے کہا خدا کی نظر میں لورت اور مرد دونوں برابر ہیں اور ان کی کام یابی و ناکامی کے اصول بھی ایک ہیں۔ لیکن ہ موجودہ دور کے اس تصورِ مساوات کو غلط سمجھتا ہے کہ دونوں کو ایک میدان میں کام کی جازت ہونی چاہیے، اس کے بغیر ان کے درمیان مساوات قائم نہیں ہو سکتی۔ اسلام کے زدیک عورت کو گھر کی اور مرد کو باہر کی ذمے داری اٹھانی چاہیے۔ اس لیے کہ دونوں کے ائزہ ہائے کار فطری طور پر الگ ہیں۔ اس نے مرد اور عورت کے درمیان تقسیم کار کے ساتھ ان کے حقوق اور ذمے داریوں کا تعین کیا اور انھیں اس کا پابند بنایا، تاکہ عملی زندگی میں عدل اور انصاف کے تقاضے پورے ہوں اور کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔

اس موضوع پر میری ایک مفصل کتاب 'عورت - اسلامی معاشرے میں' کئی سال قبل شائع ہو چکی ہے۔ پیش نظر کتاب کا موضوع بھی یہی ہے۔ اس میں ان گوشوں کو زیادہ واضح کیا گیا ہے، جو پہلی کتاب میں مجمل رہ گئے تھے اور ان مباحث کی لطف صرف مجمل اشارے کیے گئے ہیں یا انہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے، جن پر تفصیل سے اس میں بحث ہو چکی ہے۔ سابقہ کتاب کے مواد کے استعمال سے بھی جہاں تک

ہوسکا احتراز کیا گیا ہے اور بڑی حد تک نیا مواد پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سابقہ کتاب میں زیادہ تر اصولی مباحث ہیں۔ پیش نظر کتاب کی ہر بحث کے شروع میں قرآن و حدیث کی تعلیمات بہت ہی اختصار کے ساتھ پیش کی گئی ہیں اور پھر حدیث سیرت اور تاریخ سے معتبر واقعات اور عملی نمونے اس کی تائید میں فراہم کیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ دونوں کتابیں گواہی ہی موضوع سے متعلق ہیں، لیکن ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔

کتاب میں واقعات زیادہ تر دور اول کے پیش کیے گئے ہیں۔ اس لیے کہ یہ دور ہمارے لیے اسوہ ہے۔ بعد کے ادوار سے بہت کم مثالیں دی گئی ہیں۔ کہیں کہیں فقہی مسائل کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ اس سلسلے میں فقہاء کے مسالک نہیں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے لیے فقہی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

پوری کتاب قرآن و حدیث اور سیرت کے مستند ماخذ کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔ بے دلیل کوئی بات نہیں کہی گئی ہے، اس کے باوجود خامیوں کا امکان ہے۔ جز صاحب کو کوئی خامی نظر آئے وہ براہ کرم اس سے مطلع فرمائیں۔ ان شاء اللہ آئندہ اس کی اصلاح کر دی جائے گی اور یہ عاجز اس کے لیے شکر گزار ہوگا۔

سال رواں (۱۹۷۹ء) بین الاقوامی سطح پر خواتین کے سال کے طور پر منایا جا رہا ہے۔ جماعت اسلامی ہند نے طے کیا ہے کہ اس مناسبت سے خواتین کے بارے میں اسلام کے موقف اور مسلمان خواتین کے کارناموں کا خصوصی تعارف کرایا جائے۔ امید ہے یہ کتاب اس سلسلہ میں مفید ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے شرف قبولیت سے نوازے، اس کے ذریعے دین کا بہتر تعارف ہو اور ہماری خواتین میں وہی جذبہ عمل اور وہی صلاحیتیں لوٹ آئیں، جو دور اول کی خواتین میں تھیں۔ آمین

جلال الدین عمری

۲۵ فروری ۱۹۷۹ء

طبع جدید

یہ کتاب پہلی بار اڑتیس (۳۸) برس قبل شائع ہوئی تھی اور خواتین کے سالانہ مناسبت سے بڑے پیمانہ پر اس کی اشاعت بھی ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کے (۱۰) ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اس کا انگریزی، ہندی، مراٹھی اور تلگو میں ترجمہ طبع وچکا ہے۔ خواتین سے متعلق بعض مدارس میں یہ شامل نصاب بھی ہے۔ اب کی باروں نے اس پر کسی قدر تفصیل سے نظر ثانی کی ہے۔ اس کے مباحث کو مناسب و اب میں تقسیم کیا ہے۔ اس کے حوالے چیک کیے ہیں، جن کتب ماخذ کے جدید ایڈیشن دست یاب ہو سکے حوالے ان کے مطابق کرنے کی سعی کی ہے۔ کتاب کے آخر میں دور جدید میں مسلمان خواتین کی ملازمت سے متعلق ایک سوال نامہ کا جواب بھی شامل کیا گیا ہے۔ آخر میں کتابیات کی فہرست دے دی گئی ہے۔ امید ہے ان لوششوں سے کتاب کی قدر و قیمت اور افادیت میں اضافہ ہوگا۔ اب تک اس کتاب کے طبع اول ہی کا عکس چھپتا رہا ہے۔ اب کی بار مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز (نئی دہلی) سے زیادہ اہتمام سے شائع کر رہا ہے۔ میں برادر م ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی اور نریم غارف مصطفیٰ ندوی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کی ایک سے دو

مرتبہ پروف ریڈنگ کی، جہاں ضرورت محسوس ہوئی حوالوں کی مراجعت کی اور آٹا اور کتابیات کے مرتب کرنے میں مدد کی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے اور علم عمل میں ترقی عطا فرمائے۔

خاکسار

جلال الدین عمری

۲۸ اپریل ۲۰۰۹ء

اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے اس کتاب کو مقبولیت عطا کی۔ اب اس بارہواں (۱۲) ایڈیشن نظر ثانی کے بعد پریس جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور روزِ آخرت اس کے بہترین اجر سے نوازے۔

خاکسار

جلال الدین عمری

۲۶ اکتوبر ۲۰۲۱ء

عورت کی عظمت

اور

خاندان کی تعمیر میں اس کا کردار

چھٹی صدی عیسوی میں حضرت محمد ﷺ کا اعلان رسالت انسانی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ تھا۔ اس کے نتیجہ میں فکر و نظر کی دنیا بدل گئی اور سیرت و کردار میں انقلاب آ گیا۔ انسان نے نئے ڈھنگ سے سوچنا شروع کیا اور اس کی زندگی نے نیا رخ اختیار کیا۔ اسی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ عورت کے بارے میں اس کا پورا نقطہ نظر اور عملی رویہ بدل گیا اور عورت اور مرد کے تعلقات نئی بنیادوں پر قائم ہوئے۔

عورت کی محکومی کے خلاف اسلام کی صدائے احتجاج

اسلام سے پہلے عورت کی تاریخ مظلومی اور محکومی کی تاریخ تھی۔ اسے کم تر اور روتھ سمجھا جاتا تھا۔ اسے سارے فساد اور خرابی کی جڑ کہا جاتا اور سانپ اور بچھو سے جس طرح بچا جاتا ہے اس طرح اس سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی تھی۔ بازاروں میں بانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اس کی کوئی مستقل حیثیت نہیں تھی، بلکہ وہ مرد کے تابع تھی۔ اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ وہ مرد کے رحم و کرم پر جیتی تھی۔ اسلام نے اس کی محکومی کے خلاف اتنے زور سے آواز بلند کی کہ ساری دنیا اس سے گونج اٹھی اور آج کسی میں یہ ہمت نہیں ہے کہ اس کی پچھلی حیثیت کو صحیح اور برحق کہہ سکے۔

اس نے پوری قوت سے کہا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي
خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ
مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا
كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي
تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝ (النساء: ۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس
نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی
سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے
بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیے اور
اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم ایک
دوسرے سے مدد طلب کرتے ہو اور
رشتوں کا احترام کرو۔ بے شک اللہ
تمہیں دیکھ رہا ہے۔

یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان، جو
جھوٹے امتیازات دنیا نے قائم کر رکھے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ ان کی کوئی بنیاد نہیں
ہے۔ سارے انسان نفسِ واحد سے پیدا ہوئے ہیں۔ سب کی اصل ایک ہے۔ پیدا
طور پر نہ تو کوئی شریف ہے اور نہ رذیل، نہ کوئی اونچی ذات کا ہے اور نہ نیچی ذات کا۔
سب برابر اور مساوی حیثیت کے مالک ہیں۔ خاندان، قبیلہ، رنگ و نسل، ملک و قوم
زبان اور پیشہ کی بنیاد پر ان کے درمیان کسی بھی قسم کی تفریق غلط اور ناروا ہے۔

اسلام - مساواتِ مرد و زن کا پہلا علم بردار

عورت اور مرد کے درمیان زمانہ قدیم سے جو فرق و امتیاز چلا آ رہا تھا یہ اس کا
بھی تردید ہے۔ اس میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ انسانِ اول کا جوڑا کسی اور نور
سے نہیں تھا، بلکہ اسی کی نوع سے تھا۔ کوئی دوسری مخلوق اس کی رفاقت کے لیے اس کے
ساتھ نہیں لگا دی گئی تھی، بلکہ وہ اسی سے نکالی گئی تھی۔ اس اولین جوڑے سے بے شمار
مرد اور عورتیں پیدا ہوئے، ان کے درمیان رشتے اور تعلقات قائم ہوئے اور پورا
نسلِ انسانی پھیلی، اس لیے دونوں کے درمیان فرق و امتیاز نوعِ انسانی کے ایک بازو او
دوسرے بازو کے درمیان فرق و امتیاز ہے، ایک کل کے دو اجزا کے مابین تفریق ہے

عورت کی عظمت اور خاندان کی تعمیر میں اس کا کردار

ساوات مرد و زن اور دونوں کی یکساں حیثیت کے اظہار کے لیے اس سے بہتر تعبیر کا
سور نہیں کیا جاسکتا۔

اسی کے ساتھ فرمایا گیا کہ سارے انسان ایک خدا کے بندے اور ایک ماں
پ کی اولاد ہیں، اس لیے انہیں ایک طرف تو خدا کی عبادت اور تقویٰ اختیار کرنا چاہیے
ر اس سے ڈر کر زندگی گزارنی چاہیے۔ دوسری طرف، جو رشتے اور تعلقات ان کے
میان ہیں ان کا احترام کرنا چاہیے۔ اس میں مرد کے احترام کے ساتھ عورت کے بھی
ترام کی تاکید تھی۔

عورت اور مرد کی کام یابی ایمان و عمل سے وابستہ ہے

اسلام نے اس تصور ہی کی جڑ کاٹ دی کہ مرد اس لیے باعزت اور سربلند ہے
کہ وہ مرد ہے اور عورت محض عورت ہونے کی وجہ سے فروتر اور ذلیل ہے۔ اس کے
ذیک عورت اور مرد دونوں برابر ہیں۔ ازلی وابدی طور پر نہ تو کسی کے لیے برتری کا
وانہ لکھ دیا گیا ہے اور نہ کسی کے حق میں کم تری کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ مرد اور عورت میں
سے جو بھی ایمان اور حسن عمل سے آراستہ ہوگا وہ دنیا اور آخرت میں کام یاب ہوگا اور
س کا دامن ان اوصاف سے خالی ہوگا وہ دونوں ہی جگہ ناکام و نامراد ہوگا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ
أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوَةً
طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ
مِآ كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (النحل: ۹۷)

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، چاہے وہ
مرد ہو یا عورت اگر وہ مومن ہے تو ہم (اس
دنیا میں) اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے
اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ضرور ان کے
ایسے کاموں کا اجر عطا کریں گے۔

یہ اس بات کا اظہار و اعلان ہے کہ انسان کی قسمت کا فیصلہ اس کی جنس کی
یاد پر نہیں، ایمان و عمل کی اساس پر ہوتا ہے۔ جس کسی کے دامن میں ایمان اور
سن عمل کی دولت ہوگی اس دنیا میں اسے حیاتِ طیبہ نصیب ہوگی۔ وہ کسی مرحلہ میں

صراطِ مستقیم سے بھٹکے گا اور نہ غلط راہ پر گام زن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے رزقِ حلال عطا کرے گا، مشکلات میں صبر و قناعت کی دولت سے بہرہ ور فرمائے گا۔ قیامت کے روز جنت کے دروازے اس کے لیے کھلیں گے اور وہاں کی ابدی نعمتوں کا وہ حق دار قرار پائے گا۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے۔ اس میں مرد اور عورت کے درمیان فرق نہیں ہے۔

عورت کا میدانِ کار اس کا گھر ہے

البتہ اسلام کے نزدیک عورت اور مرد کے دائرہ کار جدا جدا ہیں۔ عورت کا میدانِ عمل اصلاً اس کا گھر ہے اور گھر سے باہر کی دنیا مرد کی آماج گاہ ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو قرآن نے ہدایت کی اور یہی ہدایت ان تمام خواتین کے لیے ہے جو خدا اور رسول پر ایمان رکھتی ہیں۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ (الاحزاب: ۳۳) اور اپنے گھروں میں سکون سے رہو۔

یہ خواتین کو اپنے گھروں میں رہنے کا حکم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دائرہ عمل گھر ہونا چاہیے۔ اس کی مصروفیات ایسی نہیں ہونی چاہئیں کہ اسے گھر کا ذمے داریوں سے کنارہ کش ہونا پڑے۔

دو اعتراضات اور ان کا جواب

اسلام کے اس موقف پر کہ عورت کا دائرہ کار گھر اور خاندان ہے، عام طور پر دو اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ عورت پر گھر کی ذمے داری ڈالنے سے معاشرتی جدوجہد نہیں کر سکے گی اور اس پہلو سے معاشرہ میں اس کی حیثیت مستقل کم رہے گی۔

اس سلسلے میں پہلے تو یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ اسلام نے عورت کو معاشرتی جدوجہد سے باز نہیں رکھا ہے، البتہ اس کے لیے بعض حدود متعین کیے ہیں۔ ان حدود کے اندر وہ کوئی بھی ذریعہ معاش اختیار کر سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خانہ

عورت کی عظمت اور خاندان کی تعمیر میں اس کا کردار

سروفیات کی وجہ سے عورت کی معاشی جدوجہد پر اثر پڑ سکتا ہے اور وہ مرد کی طرح اپنا نت اور توانائی اس کے لیے صرف نہیں کر سکتی۔ اس کا حل اسلام نے یہ نکالا ہے کہ وہ رد کو قانوناً اس امر کا پابند بناتا ہے کہ وہ عورت کو معاشی ضمانت فراہم کرے اور اس کی لغالت کا بوجھ اٹھائے۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ عورت پر گھر کی ذمے داری ڈالنے سے وہ اس کا چہار دیواری میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے۔ زندگی کے اور گوشوں میں نہ تو اس کی لامحیتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور نہ وہ خود فائدہ پہنچانے کے موقف میں ہوتی ہے۔ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ اسلام کا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ امور خانہ داری کے واسارے کام عورت کے لیے ممنوع ہیں۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ اصلاً گھر کی لکہ اور منظمہ ہے۔ اسے باہر کی دنیا کو آباد کرنے کی فکر میں اپنا گھر اجاڑ نہیں دینا ہے۔ اس کے اوقات کار اور توانائیوں پر باہر کی دل چسپیوں اور مشغولیتوں کا اس طرح نہ نہ ہو جائے کہ گھر اس کے لیے محض ایک قیام گاہ اور سستانے اور تھوڑی دیر آرام رنے کی جگہ بن کر رہ جائے۔ ہاں خانگی ذمے داریوں کو پورا کرنے کے بعد وہ ناشی جدوجہد بھی کر سکتی ہے اور اپنے حالات، ذوق اور رجحان کے لحاظ سے زندگی کے دوسرے میدانوں میں دل چسپی بھی لے سکتی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان راتین نے اپنے فطری دائرے میں رہتے ہوئے اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں میں فی الواقع دل چسپی لی اور نمایاں کارنامے انجام دیے۔

سب سے بڑی بات یہ کہ اسلام نے عورت کو سماجی اور معاشرتی لحاظ سے بڑا نچا مقام عطا کیا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ کسی احساس کم تری کے بغیر باوقار اور عظمت زندگی گزارتی ہے اور مرد کے ساتھ مل کر ایک صاف ستھرے اور پاکیزہ ناشرے کی تعمیر میں اس کی قوتیں صرف ہوتی ہیں۔

دائرہ عمل کیوں الگ ہو؟

اب آئیے اس سوال پر غور کریں کہ اسلام نے عورت اور مرد کے دائرہ کار ایک دوسرے سے الگ کیوں رکھے ہیں؟ اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ۔ عفت و عصمت کی حفاظت

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس سے دونوں کی عفت و عصمت کی حفاظت ہوتا ہے۔ جب بھی دونوں ایک میدان میں کام کریں گے باعفت زندگی گزارنا ان کے لیے دشوار ہوگا۔ اگر عورت اور مرد مل جل کر درس گاہوں میں تعلیم حاصل کریں، پارکوں اور میدانوں میں کھیل کود اور تفریح میں حصہ لیں، بازاروں میں بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ لین دین اور کاروبار کریں اور خلوت و جلوت میں بغیر کسی روک ٹوک اور پابندی کے ملتے جلتے رہیں اور پھر یہ سلسلہ دو ایک دن نہیں، بلکہ سالہا سال تک دراز ہوتا چلا جائے اور اسی میں بچپن سے لے کر جوانی اور جوانی سے لے کر بڑھاپے تک کے سارے مراحل طے ہوتے رہیں، تو ان کے جنسی جذبات کا بھڑکنا اور بے قابو ہونا یقیناً ہے۔ اس کے بعد وہ جنسی بے راہ روی کا آسانی سے شکار ہو سکتے ہیں۔

موجودہ دور میں جہاں کہیں اختلاط مرد و زن عام ہے، وہاں اس کے بڑے بھیانک نتائج دیکھے جا رہے ہیں۔ عفت و عصمت اجڑ گئی اور جنسی آوارگی و بائے عام کی طرح پھیل گئی ہے۔ اب اس کی اصلاح بھی اتنی دشوار ہو گئی ہے کہ اسے ایک ایسی سماجی برائی کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے، جس سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہے اور اس کے نتائج بد کو بھی چارو ناچار برداشت کیا جا رہا ہے۔

عفت و عصمت بظاہر ایک اخلاقی قدر ہے، لیکن اس سے پورے معاشرے کا رخ متعین ہوتا ہے۔ جس معاشرہ میں عفت و عصمت کی کوئی اہمیت نہ ہو وہ آدمی کو ہر طرف سے کھینچ کر زنا اور بدکاری کی طرف لے جاتا ہے۔ اس سے ایک خاص قسم کا کلچر،

تہذیب، معاشرت، ادب اور اخلاق پیدا ہوتا ہے۔ اس کی ایک ایک چیز انسان کے جنسی جذبات میں آگ لگاتی اور انہیں بھڑکاتی رہتی ہے۔ اس کے برخلاف، جو معاشرہ عفت و عصمت کی قدر و قیمت اور عظمت محسوس کرے اس کی تعمیر ایک دوسرے ہی نہج پر ہوتی ہے۔ اس کے ہر عمل سے شرم و حیا اور کردار کی پاکیزگی کا اظہار ہوتا ہے اور ہر طرف نقوی و طہارت کی فضا چھائی رہتی ہے۔

اسلام عفت و عصمت کے معاملہ میں بڑا حساس واقع ہوا ہے۔ اس نے عورت و مرد کے آزادانہ میل جول اور اختلاط کو سختی سے منع کیا ہے۔ وہ اس بات کو غلط سمجھتا ہے کہ اجنبی عورت اور مرد ایک ساتھ مل کر رہیں یا کام کریں اور خود کو ایسی آزمائش میں ال دین کہ اس سے نکلنا ان کے لیے مشکل ہو جائے۔ اس نے زنا اور بدکاری کے ارتکاب ہی سے نہیں، بلکہ اس کے قریب جانے سے بھی منع کیا ہے۔ فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَةَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَ
 بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی برا
 زنا کے قریب مت پھلو۔ اس لیے کہ وہ
 سَاءَ سَبِيلًا ○ (بنی اسرائیل: ۳۲) راستہ ہے۔

دوسری وجہ۔ صلاحیتوں کا فرق

عورت اور مرد کے لیے دو الگ میدانِ کار تجویز کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں کی قوتیں اور صلاحیتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت جسمانی طور پر مرد سے کم زور ہے، وہ زیادہ محنت و مشقت برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کے ساتھ ایسے عوارض بھی لگے ہوئے ہیں، جو اسے مسلسل اور سخت محنت سے زرکتے ہیں۔ اس کی جوانی کا آغاز ہی ماہِ واری سے ہوتا ہے اور جب تک وہ بڑھاپے کی حدود میں داخل نہ ہو جائے یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے حمل و ضاعت کے سخت اور جاں کسل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ ساری کیفیات اس کی محنت، قوتِ کار اور مزاج پر اثر انداز ہوتی ہیں اور لگاتار جدوجہد اور محنت کی راہ میں مانع

ہیں۔ اس لیے فطرت کا تقاضا اور عدل و انصاف سے قریب تر بات یہی ہے کہ عورت پر اس سے کم بوجھ ڈالا جائے جتنا بوجھ مرد پر ڈالا جاتا ہے۔ محنت و مشقت کے کام مرد کے سپرد کیے جائیں اور عورت کو ان کاموں میں لگایا جائے، جو زیادہ محنت طلب نہیں ہیں۔ اسلام نے اس کا حل یہ نکالا ہے کہ عورت گھر سنبھالے اور مرد باہر کی خدمات انجام دے۔

عورت کا مزاج، رجحان اور نفسیات بھی اسی کا تقاضا کرتے ہیں۔ عورت کے اندر محبت، دل داری، ہم دردی و غم خواری، ایثار و قربانی، صبر و تحمل، حلم و بردباری اور خدمت کے جذبات مرد سے زیادہ ہیں، ان کی وجہ سے وہ اپنے ماحول کو مسرت اور خوشی، راحت اور سکون اور دل جوئی اور محبت سے بھر سکتی ہے۔ لیکن زندگی کے شدائد اور مشکلات سامنا کرنے اور ہر طرح کے نشیب و فراز میں ثابت قدمی کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی میں جفاکشی، عزم و ہمت، پامردی اور شجاعت جیسی صفات پائے جائیں۔ یہ صفات مرد میں زیادہ ہیں۔ گھر اور خاندان نسبتاً پرسکون ماحول فراہم کرتے ہیں۔ اس میں عورت کی خوبیاں زیادہ نکھر کر سامنے آ سکتی ہیں اور ان سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ زندگی کے پیچیدہ اور دشوار مسائل کا سامنا مرد کر سکتا ہے۔ اس لیے فطری طور پر اسی کو ان سے عہدہ برآ ہونا بھی چاہیے۔

گھر چھوڑنے میں عورت کا نقصان ہے

عورت کی یہ ہرگز خیر خواہی نہیں ہے کہ اسے اس کے فطری دائرہ کار سے نکال کر غیر فطری دائرے میں پہنچا دیا جائے۔ اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ عورت جب تک عورت ہے وہ ماں بننے، حمل رضاعت کی تکلیفیں برداشت کرنے اور حیض و نفاس کی کیفیات سے گزرنے پر مجبور ہے۔ ان مشکلات اور پیچیدگیوں میں مرد اس کا ساتھ بالکل نہیں دیتا۔ اس کے ساتھ م

عورت کی عظمت اور خاندان کی تعمیر میں اس کا کردار

کی ذمے داریاں بھی اس پر ڈال دینا بہت بڑی نالصافی ہے۔

دوسری بات یہ کہ عورت گھر کی ملکہ ہے، وہاں اسے باپ، بھائی، شوہر، اولاد اور ماندان والوں کی محبت بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کے حقوق و اختیارات بھی محفوظ رہتے ہیں۔ عورت اگر گھر کی ذمے داری نہ اٹھائے تو وہ ان حقوق کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اس کے بعد اسے زندگی گزارنے کے لیے ایک ایسے میدان میں کام کرنا ہوگا، جو حقیقت میں اس کا میدان نہیں ہے اور جہاں اسے اپنے سے زیادہ طاقت ور حریف سے قدم قدم پر مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس میں اس کی توقع کم ہی کی جاسکتی ہے کہ وہ مرد سے آگے نکل سکے گی۔

گھر کی بنیادی اہمیت ہے

عورت کے لیے عزت و شرف کا مقام اس کا گھر ہے، بازار نہیں ہے۔ لیکن وجودہ دور میں گھر اور خاندان کی اہمیت پوری طرح محسوس نہیں کی جاتی، اس لیے جب سے عورت کا دائرہ کار کہا جاتا ہے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ نالصافی ہو رہی ہے، اس کے لیے معاشرہ کا بہت ہی حقیر اور ذلیل کام تجویز کیا جا رہا ہے، اسے وہ حق نہیں دیا جا رہا ہے، جو فی الواقع اسے ملنا چاہیے، اس طرح اسے مستقل چٹلی سطح پر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالاں کہ خاندان کسی بھی سوسائٹی کی بنیاد ہے۔ گھر کی اہمیت زار اور دفتر سے کم نہیں ہے۔ عورت گھر کی تعمیر کی، جو خدمت انجام دیتی ہے وہ ان ہمت سے کاموں سے زیادہ اہم ہے، جو وہ گھر سے باہر انجام دیتی یا دے سکتی ہے۔ ہاں اس کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

گھر میں عورت کی خدمات

۱- انسان بے شمار سیاسی، سماجی اور تہذیبی مسائل میں الجھا رہتا ہے۔ اس کے ساتھ صحت، مرض، خوش حالی، بد حالی، تکلیف اور آسائش بھی لگی ہوئی ہے۔ بسا اوقات

معاش کے لیے اسے سخت جدوجہد اور محنت کرنی پڑتی ہے، اپنی اور اپنے خاندان کا فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے بڑی دشواریوں کا سامنا بھی اسے کرنا پڑ سکتا ہے۔ ان حالات میں اسے سب سے زیادہ ضرورت ذہنی سکون اور اطمینان کی ہے۔ گھر یہی سکون اور راحت فراہم کرتا ہے۔ اگر گھر بھی اسے سکون نہ فراہم کرے تو اس کے لیے جب دو بھر ہو جائے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عورت گھر کو راحت کدہ اور سکون کا مرکز بنائے، تاکہ یہاں پہنچ کر مرد اپنی ساری کلفتیں اور پریشانیاں بھول جائے، اور تازہ دہو کر کش مکش حیات میں اپنا حصہ ادا کرے۔

۲- یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ بچہ کے لیے ماں کے دودھ سے بہن کوئی دوسری غذا نہیں ہے۔ اگر ماں گھر پر نہ رہے اور باہر کی مصروفیات اسے دن بھر گھیرے رہیں تو وہ اس کا اہتمام نہیں کر سکتی۔ اسی طرح شیر خوارگی کی عمر میں بھی اور اس کے بعد بھی عرصہ تک بچہ کی صحیح پرورش ماں ہی کے ہاتھوں میں ہو سکتی ہے۔ بچہ کی نشوونما کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ اسے مناسب اور متوازن غذا ملتی رہے بلکہ اس کے لیے محبت، ہم دردی اور مامتا بھی ضروری ہے۔ اگر اسے اپنے قریب ترین ماحول میں یہ جذبات نہ ملیں تو اس کی شخصیت مرجھا کر رہ جائے گی اور ابھرے گی بالکل غلط رخ پر ابھرے گی۔ ان جذبات کا مخزن ماں ہی کا سینہ ہے۔ کوئی بھی دوسرا فرد اس کا بدل نہیں بن سکتا۔ جب ماں دن بھر گھر سے باہر رہے گی تو بچہ ان جذبات کے لیے تڑپتا رہے گا اور وہ اسے نہ مل سکیں گے۔

۳- بچہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے لیے بھی ماں سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اس لیے کہ بچہ کی صحیح تعلیم اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ استاد بے حد شفیق اور مہربان ہو، اس کی نفسیات اور مزاج سے واقف ہو، اس کی شرائط کو برداشت کرے اور صبر و تحمل سے ان کی اصلاح کرے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بچہ خود بھی اس سے محبت کرے، اس کی تلخ باتوں کو بھی خلوص اور خیر خواہی پر محمول کرے اور اس کی سختی بھ

س کے لیے گوارا ہو۔ یہ جذبات ماں اور بچہ کے درمیان جیسے ہوتے ہیں کسی بھی دوسرے دو شخصوں کے درمیان نہیں ہوتے اور نہ اس کی ان سے توقع کی جاسکتی ہے۔

ایک اور پہلو سے دیکھیے۔ تعلیمی نقطہ نظر سے یہ بات بہت اہم ہے کہ استاذ برشاگرد کے درمیان براہ راست تعلق ہو۔ یہ تعلق جتنا قوی ہوگا بچہ اتنا ہی استفادہ بھی کر سکے گا۔ اسی وجہ سے اسکول میں بھی بڑی کلاسیں زیادہ کارآمد نہیں سمجھی جاتیں، کیوں کہ اس میں طالب علم اور استاذ کا تعلق کم زور ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں چھوٹی کلاسیں پسندیدہ سمجھی جاتی ہیں، اس لیے کہ اس میں یہ تعلق بڑھتا ہے۔ اس پہلو سے ایک ماں اپنے چند بچوں کو جس طرح تعلیم دے سکتی ہے اس طرح ان کی تعلیم اسکول میں نہیں ہو سکتی۔

بہت سے بچوں کی تعلیم اس لیے بھی اچھی نہیں ہوتی کہ گھر پر ان کو بہتر ٹیوٹر ہیں ملتا یا ان کے والدین ٹیوٹر رکھنے کے موقف میں نہیں ہوتے۔ لڑکیوں کو ٹیوٹر کے ریلے پڑھانے میں قباحت بھی محسوس ہوتی ہے۔ اگر ماں اس قابل ہو کہ گھر پر بچوں کو حلیم دے سکے اور اسے اپنی ذمہ داری بھی محسوس کرے تو تعلیم پر ہونے والے نراجات بھی کم ہو سکتے ہیں اور بہت سی قباحتوں سے بچا بھی جاسکتا ہے۔

یہاں ایک ضمنی لیکن ایک مسلمان کے نقطہ نظر سے اہم بات یہ ہے کہ آج کل بنی تعلیم کا رجحان کم ہے۔ چند ہی بچے دینی تعلیم حاصل کر پاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بچہ جب اسکول جانے کی عمر کو پہنچتا ہے تو اسکول بھیج دیا جاتا ہے۔ پھر اسے دین کی موٹی موٹی باتیں جاننے اور سیکھنے کا بھی موقع نہیں ملتا۔ چنانچہ بہت سے نیک اور مخلص لوگوں کے بچے بھی دین کی ابتدائی باتوں سے ناواقف رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ کو گھر پر انہیں تعلیم دینے کی فرصت نہیں ہوتی اور ماں یا تو جاہل ہوتی ہے اس میں اس کا ذوق نہیں ہوتا۔ اگر ماں اس قابل ہو اور اسے اس کی فکر ہو تو اسکولوں میں تعلیم پانے کے باوجود بچہ دین سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔

تربیت کے نقطہ نظر سے بھی ماں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ بچہ کے لیے اصل نمونہ اس کی ماں ہوتی ہے۔ وہ اس کے اخلاق و عادات کا شب و روز مشاہدہ کرتا رہتا ہے اور اس کے رویے کو دیکھ کر اپنا رویہ متعین کرتا ہے۔ گھر والوں سے اس کی ماں کے اچھے یا برے جس طرح کے تعلقات ہوتے ہیں اسی طرح کے تعلقات وہ دوسروں سے قائم کرتا ہے۔ اس معاملہ میں ماں اس کی حقیقی معلم ہوتی ہے اور اس کی سیرت اور اخلاق کا رخ متعین کرتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ گھر کی تعمیر کے بغیر معاشرہ کی تعمیر نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے اسلام نے عورت کو اس کی تعمیر کے لیے بالکل فارغ کر دیا ہے۔ وہ اس کے ساتھ کوڑا دوسرا بوجھ اس پر ڈالنا نہیں چاہتا۔ حتیٰ کہ معاش کی ذمے داریوں سے بھی اسے سبک دوڑ کر رکھا ہے۔ اس کے نزدیک گھر کی تعمیر جہاد سے کم اہم نہیں ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ کچھ عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مرد تو فضیلت والے اعمال اور جہاد کا ثواب حاصل کرتے ہیں، ہم کیا کریں کہ ہمیں بھی وہ ثواب ملے، جو راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کو ملتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”تم میں سے جو عورت گھر میں بیٹھ کر رہے گی وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا ثواب پائے گی۔“



ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۶/۳۳۰۔ اس روایت کی سند پر جرح کی گئی ہے۔

مسلمان عورت

(گھر اور خاندان میں)

خاندان سماج کا اولین ادارہ ہے۔ اس کی صحیح تعمیر پر پورے سماج کی بہتر تعمیر کا حصار ہے۔ اسلام نے بنیادی طور پر اس کی ذمے داری عورت پر ڈالی ہے، لیکن اس کی وجہ سے اس کی قانونی اور اخلاقی حیثیت کسی طرح مجروح نہیں ہونے دی۔ وہ ایک لطف تو اس کے تمام حقوق کی از روئے قانون ضمانت فراہم کرتا ہے اور دوسری طرف اس نے پورے معاشرے کو اس کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کا حکم دیا ہے۔ اسلام ایسی ضابطہ پیدا کرتا ہے کہ عورت، جس حیثیت میں بھی رہے عزت و احترام کے ساتھ رہے۔ جب تک یہ فضا باقی ہے اس کے اعزاز و اکرام میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ اسلامی معاشرے میں اسے پورے قانونی حقوق بھی حاصل ہوں گے۔ اور سماجی حیثیت سے بھی اس کا درجہ بہت بلند ہوگا۔

گھر اور خاندان میں عورت کی تین نمایاں حیثیتیں ہیں: ماں، بیوی اور بیٹی۔ اس کی ایک حیثیت بہن کی بھی ہے۔ اسلام نے ان تمام حیثیتوں سے اسے اتنا برتر اور اونچا مقام عطا کیا ہے کہ اسلام کے حدود میں رہتے ہوئے کوئی اس سے اس کا یہ مقام رفیع چھین نہیں سکتا۔

ماں کا احترام

اسلام میں خدا اور اس کے رسول کے بعد سب سے اونچا درجہ ماں کا ہے۔ اس نے ماں اور باپ دونوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے اور ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اس لیے کہ انسان پر دونوں ہی کے احسانات ہیں، لیکن قرآن و حدیث میں ماں کے احسانات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ
حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصْلُ
فِي عَامَيْنِ أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ
إِلَى الْمَصِيرِ ۝

ہم نے انسان کو تاکید کی کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹا۔ ہم نے حکم دیا کہ میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی شکر بجا لا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔

(لقمان: ۱۴)

دوسری جگہ فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا
حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَ
حَمَلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا
(الاحقاف: ۱۵)

ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اس کی ماں نے تکلیف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور تکلیف اٹھا کر اسے جنا۔ اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔

بچہ کی نگہداشت، پرورش، خدمت اور تعلیم و تربیت وغیرہ میں باپ کے ساتھ ماں بھی شریک ہوتی ہے، لیکن حمل، وضع حمل اور رضاعت کی تکلیف تہا ماں برداشت کرتی ہے۔ نو ماہ تک حمل کا بوجھ اٹھانا، موت و حیات کی کش مکش سے گزر کر بچہ کو جنم دینا اور پھر اپنے خون کو دودھ بنا کر بچہ کو پلانا اور اس پورے عرصہ میں سخت احتیاط کی زندگی گزارنا آسان نہیں ہے۔ اس صعوبت کے برداشت کرنے میں باپ اس کا شریک

ہیں ہوتا۔ اس لیے اس کا احسان بھی باپ سے زیادہ ہے۔

احادیث میں ماں باپ کی خدمت، اطاعت اور ان سے حسن سلوک کی طرف لف پہلوؤں سے توجہ دلائی گئی ہے۔ یہاں بعض وہ حدیثیں پیش کی جا رہی ہیں، جن سے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی طرف متعدد پہلوؤں سے توجہ دلائی گئی ہے۔

۱- رسول اللہ ﷺ نے باپ سے حسن سلوک کی جس قدر تاکید فرمائی ہے

اس سے حسن سلوک پر اس سے زیادہ زور دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

أَوْصِيْ اِمْرًا بِاَمِّهِ اَوْصِيْ اِمْرًا بِاَمِّهِ
میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں
تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کی ماں کے
بارے میں تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کی
ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں۔ میں
آدمی کو اس کے باپ کے بارے میں تاکید
کرتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَنْ اَعْظَمُ
النَّاسِ حَقًّا عَلَى الْمَرْأَةِ قَالِ زَوْجُهَا
قُلْتُ مَنْ اَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى
الرَّجُلِ قَالِ اُمُّهَا

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول
(ﷺ) عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا
ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے شوہر کا۔ میں
نے پوچھا مرد پر سب سے بڑا حق کس کا
ہے؟ آپ نے فرمایا اس کی ماں کا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ باپ کے مقابلہ میں ماں کم زور ہے، اس لیے
ول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ
ت بھی ہو، لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ ماں کے احسانات باپ سے زیادہ ہیں اور وہ

ابن ماجہ، کتاب الادب، باب بر الوالدین۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب البر والصلۃ،
حدیث نمبر ۷۲۴۳
حاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب البر والصلۃ، حدیث ۷۲۴۴

فی الواقع اس کی مستحق ہے کہ اس کی طرف زیادہ توجہ کی جائے۔

۲- قرآن و حدیث سے واضح ہے کہ 'کبائر' یعنی بڑے گناہوں میں سب بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ اس کے بعد بہت سی احادیث میں ماں باپ نافرمانی کا ذکر ہے۔ اس سے اس کی شاعت واضح ہوتی ہے۔

اس کے ساتھ ماں کی نافرمانی سے بچنے کی الگ سے بھی تاکید کی گئی ہے اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ اللَّهِ نَعْمَ اللَّهُ عَلَى الَّذِينَ هُمْ مَوَالِيهِمْ
الْأُمَّهَاتِ ... وَوَأَدَّ النَّبَاتِ ۗ
... اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے دس معصیتوں کا ذکر فرمایا اور کہا کہ جب میری امت ان ارتکاب کرنے لگے گی تو اس پر مصیبتوں اور عذاب کا نزول شروع ہو جائے گا۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

أَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ وَ عَقَى أُمَّهُ
آدمی اپنی بیوی کی بات مانے گا اور ماں کو
نافرمانی کرے گا، دوست کے ساتھ اچھا رویہ اختیار
کرے گا اور باپ کے ساتھ اس کا رویہ سخت ہوگا۔
وَبَرَّ صَدِيقَهُ وَ جَفَا أَبَاهُ

ایک روایت میں والدین کی نافرمانی کو علامات قیامت میں سے ایک علامہ قرار دیا گیا ہے۔ (جب کہ ہر طرف شر ہی شریں پھیل جائے گا)۔

۳- ماں کے ساتھ حسن سلوک کو گناہوں کی مغفرت اور حصول جنت کا ذرا بتایا گیا ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حارثہ بن نعمانؓ اپنی والدہ کے ساتھ سب اچھا سلوک کرتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں جنت

۱۔ بخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین من الکبائر۔ مسلم کتاب الایمان، باب الکبائر و اکبرہا۔

۲۔ بخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین۔ مسلم، کتاب الاقضية، باب النہی عن کثرة المسائل

۳۔ ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی اشراط الساعة

ارہ دیکھا، وہاں میں نے کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا: یہ کس کی آواز ہے؟ بتایا گیا: یہ حارثہ بن نعمان کی آواز ہے۔ اس کے بعد آپ نے صحابہؓ سے مایا: یہ ہے ماں کے ساتھ حسن سلوک کا ثواب، یہ ہے ماں کے ساتھ حسن سلوک کا ثواب۔

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ کیا اس سے توبہ کی کوئی شکل ہے؟ آپ نے اس سے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے دریافت مایا: کیا تمہاری خالہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اس کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ماں ہی کی خدمت نہیں، اس کے عزیزوں اور رشتہ داروں کی خدمت بھی گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا سبب بن جاتی ہے۔

۳- ماں کی خدمت باپ کی خدمت سے بھی مقدم ہے۔ ماں کے بعد ہی کسی دوسرے شخص کا مقام ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: من احق بحسن صحابتی ”میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟“ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا: اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں! اس نے تیسری مرتبہ پوچھا: اس کے بعد کون؟ آپ نے اس مرتبہ بھی اسے یہی جواب دیا: تمہاری ماں! چوتھی مرتبہ جب اس نے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارا باپ۔

مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، کتاب فی البر والصلۃ بحوالہ شرح السنۃ ویہیقی۔ ورواہ الحاکم المستدرک، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر ۷۲۳۔
ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی بر الخالۃ۔ حاکم، المستدرک، کتاب البر والصلۃ۔
یث نمبر ۷۲۶۱۔

بخاری، کتاب الآداب، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب بر الوالدین۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے آپ سے سوال کیا کہ حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے سوال کیا: پکڑ کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے سہ بارہ یہی سوال کیا۔ آپ نے اس مرتبہ بھی یہی جواب دیا۔ چوتھی بار جب اس نے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارا باپ اس کے بعد رشتہ میں، جو تم سے جتنا قریب ہوا اتنا ہی وہ حسن سلوک کا مستحق ہوگا۔^۱

قاضی عیاض^۲ کہتے ہیں: بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ماں اور باپ دونوں حسن سلوک کا برابر استحقاق رکھتے ہیں، لیکن جمہور کے نزدیک ماں کا حق زیادہ ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں: ”یہی رائے صحیح ہے، اس لیے کہ صریح احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ حارث محاسبی کہتے ہیں: ”اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ حسن سلوک کے معاملہ میں ماں حق باپ سے زیادہ ہے۔“^۳

ماں کے ساتھ حسن سلوک دو گنا ہونا چاہیے یا تین گنا۔ اس بارے میں مختلف روایات آتی ہیں۔ امام طحاوی^۴ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں وہ روایات زیادہ قوی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ انسان کو باپ کے ساتھ جتنا سلوک کرنا چاہیے اس سے تین^۵ زیادہ ماں کے ساتھ کرنا چاہیے۔^۶

امام احمد^۷ فرماتے ہیں کہ باپ کی اطاعت ہوگی اور حکم مانا جائے گا، لیکن جہاں تک حسن سلوک کا تعلق ہے چار حصوں میں سے تین ماں کے ہوں گے۔^۸

اسلام نے ماں باپ کے قانونی حقوق ادا کرنے ہی پر زور نہیں دیا، بلکہ ۱۱ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔ اس میں جہاں یہ بات داخل ہے کہ ان کے قانونی حقوق خوش دلی اور محبت کے ساتھ ادا کیے جائیں اور اسے بوجھ نہ سمجھا جائے

۱۔ ابو داؤد، کتاب الادب، باب بر الوالدین۔ ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی بر الوالدین۔

۲۔ نووی، شرح مسلم: جلد ۸ جزء ۱۶، ص ۸۳

۳۔ تفصیل کے لیے دیکھی جائے طحاوی، مشکل الآثار: ۲/۲۷۰-۲۷۳

۴۔ ابن قیم، اعلام الموقعین: ۲/۲۷۳

ہیں اس میں یہ بات بھی آتی ہے کہ قانونی حدود سے آگے بڑھ کر ان کے ساتھ وہ بہتر سے بہتر سلوک کیا جائے، جو انسان کے بس میں ہے۔ اس میں بھی ماں کا حق مقدم ہے۔ باپ کے ساتھ، جو رویہ اختیار کیا جاتا ہے اس سے اعلیٰ رویہ ماں کے ساتھ اختیار یا جانا چاہیے۔

بیوی کے حقوق

اسلام کے نزدیک عورت کا مستقل وجود ہے۔ نکاح کی وجہ سے نہ تو اس کی نصیت شوہر کی شخصیت میں گم ہو جاتی ہے اور نہ وہ اس کی محکوم اور غلام ہوتی ہے۔ اسی کے بعد جہاں وہ کچھ نئی ذمے داریاں سنبھالتی ہے، وہیں بعض نئے حقوق کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔ وہ جس طرح ان ذمے داریوں سے انکار نہیں کر سکتی، اسی طرح اس کے حقوق بھی اس سے نہیں چھینے جاسکتے۔

آئیے یہ دیکھیں کہ اسلام میاں بیوی کے تعلقات کو کس نقطہ نظر سے دیکھتا ہے ان کے لیے کیا اخلاقی اور قانونی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔

۱- میاں بیوی کا تعلق اصلاً اُلفت و محبت کا تعلق ہے۔ عورت اور مرد کے میان اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر جو محبت، کشش اور جاذبیت رکھ دی ہے قرآن مجید نے ایک جگہ اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

(الروم: ۲۱) غور و فکر کرتے ہیں۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اُلفت و محبت

اور ہم دردی و غم خواری کا تعلق ہونا چاہیے۔ یہی ان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ اگر محبت جگہ نفرت و عداوت نے لے لی ہے تو یہ اس فطرت کے خلاف ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے۔

۲- ہر چھوٹے بڑے ادارے کا ایک سربراہ ہوتا ہے، جو اسے چلاتا ہے۔ خاندان کے تعلقات اور اس کے مسائل دوسرے بہت سے اداروں اور ان کے مسائل سے زیادہ پیچیدہ اور متنوع ہیں۔ کسی سربراہ کے بغیر اس کا نظم باقی رہ ہی نہیں سکتا۔ جس کا کوئی سردھرا اور ذمہ دار نہ ہوگا تو لازماً اس کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اسلام نے نزدیک مختلف اسباب کی بنا پر مرد کو خاندان کے سربراہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد کو اس کی بیوی پر بے قید اور مطلق اقتدار دے دیا گیا ہے۔ بیوی اس کی محکوم محض ہے، بلکہ عورت پر جہاں یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مرد اپنا بڑا مان کر جائز مطالبات میں اس کی اطاعت کرے اور گھر کے نظم کو ٹھیک رہے۔ وہیں وہ اپنے حقوق بھی رکھتی ہے۔ ان حقوق کی ادائیگی مرد کے لیے لازم ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ
بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ
وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ
فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ
بِمَا حَفِظَ اللَّهُ

مرد عورتوں کے سرپرست اور نگراں ہیں۔ اگر وجہ سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو نیک بیویاں ہیں و اطاعت کرنے والی اور مردوں کے پیچھے ان کا چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہیں جیسے کہ اللہ نے حفاظت فرمائی ہے۔ (النساء: ۳۴)

خاندانی زندگی میں مرد کی برتری کو تسلیم کر کے عورت نان نفقہ، رہائش، حفاظت و صیانت اور تعلیم و تربیت جیسے بہت سے حقوق سے بہرہ مند ہوتی ہے۔ حقوق کی ادائیگی میں مرد کو تباہی کرے تو از روئے قانون وہ انہیں حاصل کر سکتی ہے۔

۳- اسلام نے اس کی ترغیب دی ہے کہ مرد اپنی بیوی کے قانونی حقوق ہی ادا کرے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس کے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک کرے۔ بی کے ساتھ حسن سلوک ہر حال میں مطلوب ہے۔ بعض اوقات بیوی کی شکل و رت، مزاج اور عادات آدمی کو ناپسند ہوتے ہیں۔ اس کا اثر بالعموم ان کے تعلقات پر ناہے۔ اس طرح کے مواقع پر آدمی کو بیوی کے اچھے پہلوؤں کو دیکھنا چاہیے۔ اس کی بات ناپسندیدہ ہو تو دس باتیں قابلِ تعریف ہو سکتی ہیں۔ اس لیے شرافت و اخلاق کا نہیں حکمت و دانائی کا بھی تقاضا ہے کہ آدمی گھر کے وسیع مفادات کو سامنے رکھے۔ تعلقات کو خراب نہ ہونے دے۔ آدمی کو ایک چیز ناگوار ہوتی ہے، لیکن اس میں خیر ہے، بے شمار پہلو پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس معاملہ میں اسلام نے جس اعلیٰ اور مثالی رویہ کی بنی کی ہے وہ دنیا میں شاید کسی اور جگہ نہیں ملے گی۔ ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا نَيْسًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا
ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو۔ اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ نے اسی میں بہت سی بھلائی رکھ دی ہو۔ (النساء: ۱۹)

بیوی کے ساتھ جو سلوک ہونا چاہیے اس کی بہترین تشریح رسول اللہ ﷺ کے احادیث میں ملتی ہے۔ حضرت معاویہ قشیریؓ نے آپؐ سے بیوی کے حقوق پوچھے تو فرمایا:

أَنْ تَطْعَمَهَا إِذَا طَعَمْتَ وَ كَسُوهَا إِذَا كَتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبَ لَوَجْهَ وَلَا تَقْبِحَ وَلَا تَهْجُرَ إِلَّا فِي بَيْتِ

جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، (غصہ سے بے قابو ہو کر) اس کے منہ پر مت مارو اور اس کو برا بھلا مت کہو۔ (اس سے کنارہ کشی ضروری ہو جائے) تو گھر سے مت نکال دو بلکہ گھر ہی کے اندر اس سے علیحدہ رہو۔

یہ حدیث ان الفاظ میں بھی مروی ہے:

أَطْعَمُوهُنَّ مِمَّا تَأْكُلُونَ وَ
 اَكْسُوهُنَّ مِمَّا تَكْسُونَ وَلَا
 تَضْرِبُوهُنَّ وَلَا تَقْبِحُوهُنَّ ۚ
 تم جو کھاؤ وہی ان کو کھاؤ، جو پہنو وہی
 ان کو پہناؤ، ان کو مارو نہیں اور نہ بے
 بھلا کہو۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ کھانے پینے اور پہننے اور ڈھنے؛
 انسان کا، جو معیار ہو وہی اس کی بیوی کا بھی ہونا چاہیے۔ خود اعلیٰ معیار کے ساتھ،
 اور اسے کم تر معیار کی زندگی گزارنے پر مجبور کرنا صحیح نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس
 ساتھ میل جول اور تعلقات میں شریفوں کا سا برتاؤ ہونا چاہیے۔ جہالت اور بربریت
 مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

عورت کی کوئی بات ناگوار گزرے تو رسول اللہ ﷺ نے نصیحت فرمائی ہے
 صبر و تحمل سے کام لیا جائے۔ اس لیے کہ یہ ناگواری بالعموم وقتی اور عارضی ہوتی ہے۔
 کی کوئی حرکت ناگوار خاطر ہوتی ہے تو کوئی ادا دل کو خوش کرنے والی بھی ہوتی ہے۔
 بات بات پر غم و غصہ اور نفرت کا اظہار باہمی تعلقات کو ہمیشہ کے لیے خراب کر
 ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَفْرُكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ
 كَوْنِي مُؤْمِنٌ كَيْسِي مُؤْمِنٌ (بیوی) سے نفرت
 نہ کرے۔ اگر اس کی ایک عادت اچھی نہ لگے
 دوسری اچھی لگے گی۔

بعض اوقات آدمی گھر سے باہر تو حسن اخلاق کا مظاہرہ کرتا پھرتا ہے،
 بیوی کے ساتھ اس کا رویہ بہت غلط ہوتا ہے۔ حالاں کہ بیوی، جو زندگی بھر کی ساتھی
 اس کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کے ساتھ بہترین سلوک کیا جائے۔ حدیث میں اس شخص
 سب سے اچھا انسان کہا گیا ہے جس کا بیوی کے ساتھ رویہ اچھا ہو۔ حضرت ابو ہریرہ
 کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی حق المرأة علی زوجها۔

۲۔ مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنساء۔

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ
خُلُقًا وَ خَيْرُهُمْ خَيْرًا كُمْ
لِنِسَائِهِمْ ۱

ایمان والوں میں سب سے کامل ایمان اس
شخص کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے
ہوں اور تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں
کے حق میں بہتر ہیں۔

ایک روایت میں بیوی بچوں کے ساتھ لطف و محبت کو ایک ایسا وصف قرار دیا
گیا ہے، جس سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ، رسول اللہ ﷺ
سے روایت کرتی ہیں:

إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا
أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَ أَلْفَهُمْ بِأَهْلِهِ ۲

ایمان والوں میں سب سے کامل ایمان اس
شخص کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے
ہوں اور جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ زیادہ لطف
و محبت سے پیش آئے۔

حضرت عائشہؓ ہی کی ایک اور روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَ أَنَا
خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي ۳

تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں
کے حق میں بہتر ہو اور میں بھی اپنے گھر والوں
کے لیے بہتر ہوں۔

۴۔ اسلام کے نزدیک زوجین کے تعلقات کی معیاری شکل یہ ہے کہ وہ
شک و کش اور تنازعات سے پاک ہوں۔ بیوی شوہر کو مسرور و مطمئن رکھنے کی کوشش
کرے، جائز کاموں میں اس کی اطاعت کرے اور اس کی عزت و ناموس اور مال و
اندام کی حفاظت کرے۔ دوسری طرف شوہر اس طرح کی نیک اور صالح بیوی کو بہترین
نوع حیات سمجھے اور اس کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرے۔

ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء في حق المرأة على زوجها۔

ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء في استكمال الایمان۔

ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبیؐ، ورواه ابن ماجہ عن ابن عباسؓ، کتاب النکاح،

ب حسن معاشرۃ النساء۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: نیک او صالح عورت کی کیا صفات ہیں؟ آپؐ نے فرمایا:

الَّتِي تَسْرُهُ إِذَا نَظَرَ وَتُطِيعُهُ إِذَا
أَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهُ فِي مَا يَكْرَهُ فِي
نَفْسِهَا وَمَالِهَا^۱

جب شوہر اسے دیکھے تو خوش کر دے، جب کوئی
حکم دے تو مان لے اور اپنے ناموں اور اس کے
مال (کی حفاظت کرے اور ان میں) اس کی
خلاف ورزی، جسے وہ ناپسند کرتا ہے، نہ کرے۔

حضرت ابو امامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى
اللَّهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ إِنْ
أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَ إِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ
وَ إِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبْرَتْهُ وَ إِنْ غَابَ
عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِي نَفْسِهَا وَ مَالِهَا^۲

اللہ کے تقویٰ کے بعد ایک مومن جن چیزوں
سے فائدہ اٹھاتا ہے ان میں صالح بیوی سے بہتر
کوئی چیز نہیں ہے۔ ایسی بیوی کہ اسے حکم دے تو
اطاعت کرے، دیکھے تو مسرت سے بھر دے، کوئی
بات قسم دے کر کہے تو اسے پوری کرے اور اس
کی غیر موجودگی میں اپنے نفس اور اس کے مال
میں خیر خواہی کا رویہ اختیار کرے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَ خَيْرُ مَتَاعِهَا
الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ^۳

یہ دنیا زندگی گزارنے کا سامان ہے۔ اس کا
بہترین سامان صالح عورت ہے۔

حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: اللہ تعالیٰ نے سونے اور چاند

کے جمع کرنے سے تو منع فرما دیا ہے، پھر ہم کس قسم کا مال اپنے پاس رکھیں؟ آپؐ نے
فرمایا:

۱۔ مسند احمد، مسند ابی ہریرہ، حدیث نمبر ۷۳۷۳۔ نسائی، کتاب النکاح، باب ای النساء خیر۔

۲۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب افضل النساء۔

۳۔ مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب افضل النساء۔

لِيَتَّخِذَ أَحَدُكُمْ قَلْبًا شَاكِرًا وَ لِسَانًا ذَاكِرًا وَ زَوْجَةً مُؤْمِنَةً تَعِينُ أَحَدَكُمْ عَلَى أَمْرِ الْأَخِرَةِ ۖ

تم میں سے ہر کسی کو شکر گزار دل، اللہ کو یاد کرنے والی زبان اور مومن بیوی جو آخرت کے کاموں میں اس کی مدد کرے، اپنے پاس رکھنا چاہیے (یہی سب سے بڑی دولت ہے)۔

اس سے بہ آسانی تصور کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میاں بیوی کے درمیان کس قسم کے تعلقات دیکھنا چاہتا ہے۔ اس طرح کے تعلقات پائے جائیں تو دونوں ایک دوسرے کے معاون اور بھی خواہ ہوں گے، ان کی زندگی خوش گوار اور مثالی ہوگی اور حقوق و اختیارات کے وہ ناپسندیدہ مسائل، جن کی وجہ سے خانگی زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے، کبھی کھڑے نہ ہوں گے۔

لڑکی سے محبت اور اس کے تقاضے

دورِ جاہلیت میں لڑکے بہت بڑا سرمایہ سمجھے جاتے تھے اور ان کے وجود پر فخر کیا جاتا تھا، اس لیے کہ ان سے قبیلہ کی قوت میں اضافہ ہوتا اور معاشی تنگ و دو میں وہ معاون اور مددگار ہوتے تھے، لیکن لڑکیاں اہل عرب کے لیے ایک بوجھ تھیں۔ ان کو وہ وجہ عار سمجھتے اور ان کے ذکر ہی سے ان کا سر شرم سے جھک جاتا تھا۔ قرآن مجید نے لڑکیوں کے بارے میں ان کے جذبات کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے:

وَ إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝

جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم سے گھٹنے لگتا ہے۔ اس خبر بد کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور اس سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ) آیا زلت برداشت کرتے ہوئے اسے باقی رکھے یا مٹی کے نیچے دفن کر دے۔

ان مکروہ جذبات کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ بعض قبائل لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ قرآن مجید نے قتلِ اولاد کی سخت مذمت کی، اسے ایک سنگین جرم قرار دیا اور ہمیشہ

کے لیے اسے ختم کر دیا۔ اس نے کہا کہ قیامت کے روز اس شقاوت اور سنگ دلی کا خدا کو جواب دینا ہوگا۔ فرمایا:

وَ إِذَا الْمَوْءِدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ
ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝ (الکؤبر: ۸، ۹)

اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ اس لڑکی سے
پوچھا جائے گا جسے زندہ دفن کیا گیا تھا کہ کس
جرم میں اسے مارا گیا۔

اسلام نے لڑکیوں کے بارے میں جاہلیت کے جذبات کے بالکل برعکس
جذبات پیدا کیے۔

۱۔ اس نے پہلی بات یہ کہی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ کسی کو اولاد سے
نوازتا ہے اور کسی کو اس سے محروم کر دیتا ہے، کسی کو صرف لڑکے عطا کرتا ہے اور کسی کو
صرف لڑکیاں، کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہی دیتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی صورت
نہ تو باعثِ افتخار ہے اور نہ ذلت و رسوائی کا سبب۔ یہ سب کچھ خدا کی قدرت کے مظاہر
ہیں اور ان کے پیچھے خدا کا بے پایاں علم اور حکمت کام کرتی ہے، جو لوگ اسے عزت
ذلت کا معیار سمجھتے ہیں وہ اس کی حکمت پر حرف گیری کرتے ہیں۔ فرمایا:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۗ يَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ اِنَاثًا
وَ يَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ الذُّكُوْرَ ۗ اَوْ
يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۗ وَ يَجْعَلُ
مَنْ يَشَآءُ عَقِيْمًا ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝

اللہ ہی کے لیے ہے آسمان اور زمین کی
بادشاہت۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے،
جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا
ہے لڑکے عطا کرتا ہے۔ یا انہیں لڑکوں اور
لڑکیوں کے جوڑے دیتا ہے اور جسے چاہتا
ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ بے شک وہ علم والا
اور قدرت والا ہے۔ (الشوری: ۴۹، ۵۰)

۲۔ لڑکیوں کی پرورش کی ترغیب دی گئی۔ اسے کارِ ثواب اور حصولِ جنت
کا بہت بڑا ذریعہ قرار دیا گیا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ
فرمایا:

مَنْ بُلِيَ مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ شَيْئًا
فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ
النَّارِ

اللہ تعالیٰ جس شخص کو ان لڑکیوں کے ذریعہ
کچھ بھی آزمائش میں ڈالے اور وہ ان کے
ساتھ اچھا سلوک کرے تو وہ اس کے لیے جہنم
سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔

احادیث میں دو تین لڑکیوں بلکہ ایک لڑکی کی پرورش پر بھی جنت کی خوش خبری
دی گئی ہے۔ اس سے اس شخص کے اجر و ثواب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جسے تین سے بھی
یادہ بچیوں کی نگہداشت کرنی پڑے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ
نے فرمایا:

مَنْ كَانَتْ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ
عَلَيْهِنَّ فَاطْعَمَهُنَّ وَسَقَاهُنَّ وَكَسَاهُنَّ
مِنْ جِلْدَتِهِ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ

جس شخص کے تین لڑکیاں ہوں، وہ ان کے
سلسلے کی پریشانیوں پر صبر کرے اور اپنی محنت کی
کمائی سے ان کو کھلائے، پلائے اور پہنائے تو وہ
اس کے لیے جہنم کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا
جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ هَكَذَا

جو شخص دو بچیوں کی ان کے جوانی کو پہنچنے
تک پرورش کرے گا قیامت کے روز میں اور
وہ اس طرح (مل کر) آئیں گے۔

یہ کہہ کر آپ نے دو انگشت ہائے مبارک کو ملا کر دکھایا۔^۳

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كُنَّ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ
عَلَى لَأْوَاهِنَّ وَضَرَّاهِنَّ أَذْخَلَهُ

جس کسی کے تین لڑکیاں ہوں اور وہ ان کے
سلسلے کی تکلیفوں اور معاش پریشانیوں پر صبر کرے
تو ان کے ساتھ اس کی ہم دردی کی وجہ سے

بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الولد و تقبیلہ الخ۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل
احسان الی البنات۔

مسند احمد: حدیث عقبہ بن عامر، حدیث نمبر ۱۶۹۵۰۔ ابن ماجہ، کتاب الادب، باب بر الوالد
الاحسان الی البنات۔

۱۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات۔

اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ فرماتے ہیں اس پر ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ، اگر کسی کے دو لڑکیاں ہوں (اور وہ ان کے سلسلہ میں تکلیف برداشت کرے تو؟) آپ نے فرمایا، دو لڑکیاں ہوں تو بھی (اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائے گا)۔ ایک شخص نے کہا اگر ایک ہو؟ آپ نے فرمایا ایک ہو تو بھی۔

اللَّهُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهِ أَيَّاهُن قَالَ: فَقَالَ رَجُلٌ وَ ابْنَتَانِ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ وَ ان ابنتان قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ وَاحِدَةً؟ قَالَ: وَ وَاحِدَةً

۳۔ احادیث میں اس بات کی بھی ترغیب دی گئی ہے کہ بچیوں کی پرورش کے ساتھ ان کو اچھی تعلیم و تربیت دی جائے، ان کا مناسب رشتہ کیا جائے اور اس کے بعد بھی ان کے ساتھ حسن سلوک جاری رکھا جائے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، ان کو تعلیم و تربیت دی، ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ (بعد میں بھی) حسن سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔

مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ فَأَدَّبَهُنَّ وَ زَوَّجَهُنَّ وَ أَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ

۴۔ عام طور پر لڑکوں سے زیادہ محبت کی جاتی ہے۔ غذا، لباس، علاج اور تعلیم و تربیت جیسے امور میں ان کے ساتھ ترجیحی سلوک ہوتا ہے۔ یہ سراسر ظلم اور نا انصافی ہے۔ حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس شخص کے لڑکی ہو وہ نہ تو اسے زندہ درگور کرے اور نہ اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرے اور نہ اس پر اپنے لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

مَنْ كَانَتْ لَهُ أَنْفَى فَلَمْ يَنْدُبْهَا وَ لَمْ يُهِنْهَا وَ لَمْ يُؤْثِرْ وَ لَدَهُ عَلَيْهَا يَعْنِي الذُّكُورَ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ

۱۔ حاکم، المستدرک، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر ۴۳۶۶۔ ۱۹۵/۴

۲۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فضل من عال یتامی۔

۳۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فضل من عال یتامی۔ الحاکم، المستدرک: کتاب البر والصلة

حدیث نمبر ۴۳۶۸۔

ان احادیث میں لڑکیوں کی پرورش، تعلیم و تربیت، شادی بیاہ اور ان کے ساتھ ساوی سلوک پر جہنم سے نجات پانے اور جنت کے ملنے کی خوش خبری دی گئی ہے۔ جس شخص کو خدا اور آخرت پر یقین نہیں ہے اور جو اس دنیا ہی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہے وہ اس کی اہمیت محسوس نہیں کر سکتا، لیکن ایک مومن کا صحیح نظر ہی آخرت کی کامیابی ہوتا ہے، اس کے لیے اس بشارت میں وہ سب کچھ ہے، جو وہ چاہتا ہے۔

اس ترغیب کے ساتھ بچیوں کے بارے میں یہ تصور بھی ذہن نشین کیا گیا کہ وہ جیسا کہ دنیا سمجھتی ہے، بے حیثیت اور کم قیمت نہیں ہیں، بلکہ وہ قدرت کا کراں مایہ عطیہ ہیں۔ ان کے اندر، جو انس اور محبت ہوتی ہے وہ لڑکوں میں نہیں ہوتی۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَكْرَهُوا الْبَنَاتِ فَإِنَّهُنَّ لَكُلُوبٌ مِنْ نَفْسِ كَرُومٍ وَتَوْغَمِ خَوَارِ الْمُنُونَسَاتِ الْغَالِيَاتِ۔
اور بڑی قیمتی ہیں۔

لڑکی کے ساتھ حسن سلوک کی یہ وہ تعلیم ہے جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ اسلامی انون کی رو سے اولاد اگر صاحب حیثیت نہیں ہے اور اس کے پاس کوئی جائز ذریعہ بھی نہیں ہے تو باپ پر اس کا نفقہ واجب ہو جاتا ہے۔ اس اصول کے تحت لڑکوں کی طرح کیوں کا نفقہ بھی اس پر واجب ہے۔ لڑکی کا نفقہ اس کی شادی تک باپ پر اور باپ کی رم موجودگی میں اس کے قریب ترین رشتہ دار پر ضروری ہے۔ شادی کے بعد شوہر اس کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ شوہر کا انتقال ہو جائے یا وہ اسے طلاق دے دے اور یرت معاشی لحاظ سے خود کفیل نہ ہو تو اس کی اولاد پر اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں پ یا دوسرے قریبی رشتہ داروں پر اس کی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ یہ اس کا قانونی ت بھی ہے اور حدیث میں اس کی بڑی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔ حضرت سراقہ بن

مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا:

أَلَا أَدُلُّكَ عَلَىٰ عَظَمِ الصَّدَقَةِ
کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ سب سے بڑا
صدقہ کیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا: حضور! (ﷺ) ضرور بتائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّتِكَ مَرْدُودَةٌ إِلَيْكَ لَيْسَ
لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ
اپنی اس بچی پر احسان کرنا جو (بیوہ ہونے یا
طلاق دیے جانے کی وجہ سے) تیری طرف
لوٹا دی گئی ہو اور تیرے سوا کوئی دوسرا اس کا
کمانے والا نہ ہو۔

صحابہ کرامؓ اپنی بیوہ اور مطلقہ لڑکیوں کا کس حد تک خیال رکھتے تھے اس
اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت زبیرؓ نے اپنے کچھ مکانات وقف کیے تھے۔ ۲۱
وقف کی تفصیلات میں یہ بات بھی داخل تھی:

لِلْمَرْدُودَةِ مِنْ بَنَاتِهِ أَنْ تَسْكُنَ
غَيْرَ مَضْرُوبَةٍ وَلَا مُضَرَّبَةٍ بِهَا فَإِنْ
اسْتَفْتَتْ بِزَوْجٍ فَلَيْسَ لَهَا حَقٌّ
ان کی جو لڑکی (طلاق یا بیوگی کی وجہ سے)
واپس گھر آجائے گی وہ ان میں رہے گی۔ نہ وہ
نقصان پہنچائے گی اور نہ اُسے نقصان پہنچایا جائے
گا۔ پھر اگر شوہر کی وجہ سے وہ اس سے بے نیاز
ہو جائے تو اس کا ان میں کوئی حق نہیں ہوگا۔

بہن کی خدمت اور کفالت

عورت کی ایک حیثیت بہن کی ہے۔ بھائی اور بہن کا رشتہ خونی رشتہ ہے۔ ا
کے درمیان فطری طور پر محبت و الفت کے جذبات پائے جاتے ہیں اور ان کا تعل
مثالی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن خاندانی زندگی میں اس کی اہمیت پوری طرح نہیں محسوس
جاتی۔ اسلام نے اس رشتہ کو مضبوط کیا ہے۔ بعض اوقات بہن کو بھائی کی مدد اور تعاو
کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کا پورا کرنا بڑے اجر و ثواب کا باعث اور جنت تک

۱۔ مسند احمد، حدیث سراقہ بن مالک، ۱۷۱۳۶۔ ابن ماجہ، کتاب الادب، باب بر الوالد والاحسا
الی البنات۔ حاکم، المستدرک، کتاب البر والصلۃ۔ حدیث نمبر ۷۳۴۵
۲۔ بخاری، کتاب الوصایا، باب اذا وقف ارضا او بڑا واشترط الخ۔

سائی کا ذریعہ ہے۔ حدیث میں بیٹی کی طرح بہن کی پرورش، تعلیم و تربیت اور شادی کی غیب دی گئی ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

لَا يَكُونُ لِأَحَدِكُمْ ثَلَاثُ بَنَاتٍ تَمَّ مِنْهُنَّ سِوَاكِ يَوْمَ تَمَّ مِنْهُنَّ سِوَاكِ
أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ فَيُحْسِنُ إِلَيْهِنَّ بَيْنَهُنَّ هَوْنٌ أَوْ وَهْنٌ أَوْ حَسْرَةٌ أَوْ حَزَنٌ
إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ ۚ

حضرت ابوسعید خدریؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں دو لڑکیوں اور دو بہنوں کی خدمت اور حسن سلوک پر جنت کی خوش خبری دی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَتْ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ أَوْ ابْنَتَانِ أَوْ أُخْتَانِ فَأَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ وَاتَّقَى اللَّهَ فِيهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ ۚ

ایک روایت میں بیٹیوں اور بہنوں کی کفالت اور نگہداشت پر جنت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کی خوش خبری دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

مَنْ عَالَ ابْنَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثَ بَنَاتٍ أَوْ أُخْتَيْنِ أَوْ ثَلَاثَ أَخَوَاتٍ حَتَّى يَمُتْنَ أَوْ يَمُوتَ عَنْهُنَّ كُنْتُ أَنَا وَهُوَ هَاتَيْنِ وَ أَشَارَ بِإِصْبَعِيهِ السَّبَابَةِ وَالْوُسْطَى ۚ

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی النفقة علی البنات۔

حوالہ سابق۔

مسند احمد: مسند انس بن مالک، حدیث نمبر ۱۲۰۸۹۔

مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ أَوْ مِثْلَهُنَّ
 مِنَ الْأَخَوَاتِ فَأَدَّبَهُنَّ وَرَحِمَهُنَّ
 حَتَّى يُغْنِيَهُنَّ اللَّهُ أَوْ جَبَّ اللَّهُ لَهُ
 الْجَنَّةَ

جو شخص تین لڑکیوں کی یا ان جیسی تین
 بہنوں کی پرورش کرے، ان کو ادب اور سلیقہ
 سکھائے، ان کے ساتھ شفقت و محبت کا
 سلوک کرے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو
 بے نیاز کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے
 جنت واجب کر دے گا۔

یہ ثواب سن کر ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر کوئی
 لڑکیوں یا بہنوں کی اسی طرح خدمت کرے تو کیا اسے بھی یہی ثواب ملے گا؟ آپ -
 فرمایا: ہاں! دو پر بھی یہی ثواب ملے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ اگر وہ ایک کے بارے میں
 سوال کرتا تو بھی آپ یہی جواب دیتے۔

یہ احادیث بتاتی ہیں کہ ایک لڑکی یا ایک بہن کی پرورش اور تعلیم و تربیت -
 بھی آدمی جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ایک سے زیادہ کا بوجھ اٹھائے تو امید -
 اس کے درجات اور بلند ہوں گے۔

آدمی کو طبعی طور پر بہن سے وہ تعلق خاطر نہیں ہوتا، جو بیٹی سے ہوتا ہے۔ اس
 لیے اس کی فکر بھی اسے کم ہوتی ہے۔ ان احادیث میں بتایا گیا ہے کہ بیٹی کے ساتھ حسر
 سلوک اور اس کی ضروریات کی تکمیل کا، جو اجر و ثواب ہے، بہن سے حسن سلوک اور اس
 کی خدمت کا بھی وہی اجر و ثواب ہے۔ اس لیے بہن کے سلسلے میں آدمی کے وہ
 جذبات ہونے چاہئیں جو بیٹی کے سلسلے میں ہوتے ہیں۔ اس تعلیم کے، جو اثرات رونما
 ہوئے اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے:

حضرت عبد اللہ بن حرام انصاریؓ کا واقعہ ہے کہ انھوں نے جنگ احد میں
 شرکت کا ارادہ کیا تو اپنے بیٹے حضرت جابرؓ سے کہا: بیٹے! خیال ہو رہا ہے کہ اس جنگ
 میں جو لوگ سب سے پہلے اپنی جان کی بازی لگائیں گے میں بھی ان میں ہوں گا۔

قرض ہے۔ میرے بعد اسے ادا کر دو اور میں وصیت کرتا ہوں کہ تم اپنی بہنوں کے اتھ بہتر سلوک کرو۔

اس وقت حضرت جابرؓ جوان تھے، لیکن انہوں نے ایک بیوہ کو اپنے نکاح کے لیے منتخب کیا۔ نبی ﷺ نے ان کی عمر کی رعایت سے دریافت کیا:

هَلَّا جَارِيَةٌ تُلَاعِبُهَا وَ تُلَاعِبُكَ
و تَضَاحِكُهَا وَ تَضَاحِكُكَ
تم نے کسی جوان لڑکی سے کیوں نہیں شادی
کی کہ تم اس کے ساتھ کھیل کرتے اور وہ
تمہارے ساتھ کھیل کرتی۔ تم اس سے ہنسی مذاق
کرتے اور وہ تمہارے ساتھ ہنسی مذاق کرتی۔

حضرت جابرؓ نے جواب دیا:

يَا رَسُولَ اللَّهِ! مِيرے والد اُحد کے معرکے
میں شہید کر دیے گئے اور اپنے پیچھے نو لڑکیاں
چھوڑ گئے، جو میری نو بہنیں ہوئیں۔ ان کی
نگہ داشت کے پیش نظر میں نے یہ پسند نہیں
کیا کہ ان کے ساتھ ان ہی جیسی نا تجربہ کار
لڑکی کو جمع کر دوں۔ اس لیے ایک ایسی عورت
کا انتخاب کیا جو ان کی نگہ چوٹی اور دیکھ بھال
کر سکتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ٹھیک کیا تم نے۔
قَالَ أَصَبْتَ!

یہ دراصل اسلامی تعلیم کا کرشمہ تھا کہ ایک نوجوان جس کے سینہ میں جذبات کا
سندر متلاطم ہو اور جس کا نوخیز شباب اپنے ہم عمر جوڑے کا طالب ہو وہ بہنوں کی خاطر
پنے جذبات کی آسودگی کا ایسا حل تلاش کرتا ہے، جسے جوانی کی سرمستیاں آسانی قبول
میں کر سکتیں۔

بہن کے ساتھ الفت و محبت کا زبان سے اظہار تو آسان ہے، لیکن جب تک

ابن اثیر الجزری، اسد الغایۃ: ۳/۳۴۴

بخاری، کتاب المغازی، اِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ، نِيز كِتَابِ النِّقَاقَاتِ۔ مسلم کتاب الرضاع، باب
کتاب نکاح البکر۔

رضائے الہی کا جذبہ اور آخرت کے اجر و ثواب پر یقین نہ ہو اس طرح کی قربا آسان نہیں ہے۔

اسلام نے وقت ضرورت بہن کی کفالت اور تعلیم و تربیت کی ترغیب ہی نہیں دی، بلکہ بھائی اور بہن کے قانونی حقوق بھی رکھے ہیں۔ وہ بعض حالات میں وراثت میں ایک دوسرے کے حق دار ہوتے ہیں اور ان پر ان کی کفالت بھی لازم آتی ہے۔ وہ اقدام ہے، جس کا عورت کی تاریخ میں کہیں ثبوت نہیں ہے۔



مسلمان عورت کی تاریخ

(ایمان اور عبادت کے نقوشِ تاباں)

موجودہ دور میں عورت کی 'ترقی' کا بڑا چرچا ہے، لیکن اس 'ترقی' کے لیے اسے
 نا قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ اس نے گھر اجاڑا اور بازاروں کو رونق دی۔ گھر اور
 دکان کے کھنڈرات پر اس کی ترقی کا محل تعمیر ہوا۔ اس کے بالکل برعکس مسلمان خواتین
 ، خانگی ذمہ داریوں کو سنبھالتے اور ان کا حق ادا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا اپنا
 روپیہ پورا کیا اور اس سے اپنا روحانی تعلق مستحکم رکھا۔ اس کے ساتھ علمی، سماجی اور
 سی سطح پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے۔ یہاں پہلے دین پر ان کی استقامت اور
 دات سے ان کے شغف کا کسی قدر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

۱۔ اسلام میں سبقت

اسلامی تاریخ عورتوں اور مردوں نے مل کر بنائی ہے۔ اگر اس سے عورتوں کا
 نکال دیا جائے تو وہ ادھوری اور ناقص رہ جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی
 ت دی تو مردوں کے ساتھ عورتوں نے بھی آگے بڑھ کر اسے قبول کیا۔ اس کے لیے
 ربار چھوڑا، عزیزوں اور رشتہ داروں سے جدا ہوئیں اور ہر طرح کی تکلیفیں برداشت
 ں۔ لیکن آزمائشوں کے اس طوفان میں پہاڑ کی طرح جمی رہیں، جان و مال کی

حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کے اسلام قبول کرنے سے بھی پہلے اسلام لانے والوں
 امام ذہبیؒ نے 'السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ' (سب سے پہلے اسلام لانے والے) میں شمار کیا
 ہے۔ یہ کیا وہ (۵) افراد تھے۔ ان ہی باہمت نفوس میں ذیل کی خواتین بھی شامل ہیں۔

حضرت خدیجہؓ، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ، اسماء بنت سلامہؓ، اسماء بنت عمیسؓ،
 لمہ بنت الجبلؓ، فاکہہ بنت یسارؓ، رملہ بنت ابی عوفؓ، امینہ بنت خلفؓ۔

بن پر استقامت

مکہ میں، جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے اور توحید کا اعلان کرتے ان کو
 سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ غلاموں اور لونڈیوں کا چوں کہ کوئی محافظ اور
 مان حال نہیں ہوتا تھا، اس لیے ان کو زیادہ ستایا اور پریشان کیا جاتا تھا۔ ان کو
 س طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں، اس کے تصور ہی سے روح
 نپ جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود دنیا نے ان کی استقامت کا حیرت انگیز منظر
 دیا۔ ان میں سے جس نے بھی اسلام قبول کیا اس کے پائے ثبات میں ذرہ برابر
 کس نہ آئی۔

مکہ کے ابتدائی دور میں جن باسعادت اور باہمت نفوس نے ایمان قبول کیا تھا،
 میں عمار بن یاسرؓ کا خاندان بھی تھا۔ عین دوپہر کے وقت اس خاندان کے افراد کو پتی
 ریت پر ڈال دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ گزرتے اور تسلی دیتے کہ یاسر کے خاندان
 ! صبر کرو۔ جنت میں ملاقات ہوگی۔ عمار بن یاسرؓ کی والدہ کا نام سمیہ تھا۔ یہ ابو حذیفہ
 مغیرہ کی باندی تھیں۔ بوڑھی اور ضعیف ہو چکی تھیں۔ اس بوڑھی جان کو ہر طرح کی
 ت دی جاتی تھی، لیکن کوئی بھی اذیت انھیں اپنے دین و ایمان سے نہ پھیر سکی۔ ایک
 ابو جہل نے اسی جرم حق کی پاداش میں شرم گاہ میں نیزہ مار کر انہیں شہید کر دیا۔ یہ

پہلی شہادت تھی، جو حضور اکرم ﷺ کے پیغام پر لبیک کہنے کے نتیجے میں کسی کو نصیہ ہوئی۔ حضرت مجاہد کہتے ہیں:

أَوَّلُ شَهِيدٍ أُسْتُشَهِدَ فِي
الإِسْلَامِ سُمَيَّةُ أُمُّ عَمَّارٍ
عمارؓ کی والدہ سُمَيَّةُ اسلام (کی راہ)
میں شہادت پانے والوں میں پہلی
شہیدہ ہیں۔

زیرؓ ایک رومی لوٹڈی تھیں۔ اسلام لانے کے بعد ان کو بڑی سخت سزائیں د جاتی تھیں۔ بالآخر حضرت ابو بکرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کیا تو انھیں اس سے نجات مل اتفاق کی بات کہ اسی دوران میں ان کی بیٹائی ختم ہو گئی۔ مشرکین طعنہ دینے لگے کہ لاار وعزئی نے اسے اندھا کر دیا ہے، لیکن اس اللہ کی بندی کے یقین و ایمان میں کو تزلزل نہ آیا۔ انھوں نے کہا: ”تم جھوٹ بولتے ہو۔ لات وعزئی نفع یا نقصان کچھ نہ پھنچا سکتے۔“ ان کی یہ بات اللہ کو اس قدر پسند آئی کہ روشنی بحال ہو گئی۔

بنی مؤمل کی ایک لوٹڈی اس وقت اسلام قبول کر چکی تھیں، جب کہ اب حضرت عمرؓ حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ اسے اسلام سے پھیرنے لیے سخت سزا دیتے تھے۔ جب تھک جاتے تو کہتے کہ یہ نہ سمجھو کہ اب نجات مل گئی۔ آرام کر لوں تو پھر تمہاری مرمت کروں۔ حضرت عمرؓ کی یہ سختی بھی اسے اسلام کی راہ ہٹانہ سکی۔ وہ صرف یہ کہتی: اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھی کچھ کرے۔ اس عذاب سے اس وقت نجات ملی جب کہ حضرت ابو بکرؓ نے اسے خرید کر آزاد کیا۔

علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں: حضرت بلالؓ کی والدہ کا نام حمامہ تھا۔ قبول اسے

۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۲۶۳-۲۶۵۔

۲۔ ابن ہشام، السیرة النبویة: ۱/۳۵۵۔ ابن اثیر، اسد الغابہ: ۷/۱۲۴۔ ابن حجر، الاصابہ فی الصحابة: ۸/۱۵۰-۱۵۱۔

۳۔ ابن ہشام، السیرة النبویة: ۱/۶۵۳۔

وجہ سے (حضرت بلالؓ کی طرح) ان کو بھی سخت سزا دی جاتی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے افراد کو خرید کر آزاد کیا، ان میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

ام عیسٰیؑ بنو تیم بن مرہ یا بنوزہرہ کی باندی تھیں۔ اسلام لانے کی وجہ سے ان کی سخت تکلیف پہنچائی جا رہی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے انھیں خرید کر آزاد کیا۔

حواء بنت زید بن سکنؓ ہجرت سے بہت پہلے مدینہ میں مسلمان ہو چکی تھیں، ان کے شوہر قیس بن حطیم نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ انہیں بری طرح پریشان تے تھے، پھر بھی وہ ثابت قدم رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں اس کی اطلاع ملی۔

باز کے میلہ میں قیس بن حطیم آئے تو آپؐ نے ان سے ملاقات کی اور اسلام پیش لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ جب سے تمہاری نے تمہارا دین چھوڑا ہے تم اس کے ساتھ برا سلوک کر رہے ہو۔ اللہ سے ڈرو۔ اس میں میری باتوں کا خیال رکھو اور اس سے تعرض نہ کرو۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ بیوی کو پریشان نہیں کریں گے۔ پھر مدینہ پہنچ کر انھوں نے بیوی سے آپؐ کی ت کا ذکر کیا اور کہا کہ تم اپنے دین پر عمل کرو۔ میں تم سے تعرض نہیں کروں گا۔

حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ اور ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش مکہ کے ن دور ہی میں اسلام لے آئے اور دونوں نے حبشہ ہجرت کی۔ لیکن وہاں پہنچ کر اللہ بن جحش نے نصرانیت اختیار کر لی۔ پردیس میں حضرت ام حبیبہؓ کے لیے یہ بڑی ش کا وقت تھا، لیکن وہ اپنے دین پر ثابت قدم رہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا پیغام بھیجا اور وہ آپؐ کے عقد میں آگئیں۔

۱۔ عبد البر، الاستیعاب: ۸۷۲/۳۔ ابن اثیر، اسد الغابہ، ۷/۱۷۱۔ ابن حجر، الاصابۃ: ۸/۸۸۔

۲۔ ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۵۵۔ ابن حجر، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ: ۸/۳۳۴۔

۳۔ بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۳۲۳، ۳۲۴۔ ان کے اور شوہر کے نسب میں کسی قدر

۴۔ ہے۔ اسد الغابہ: ۷/۷۵، ۷۶۔

۵۔ بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۹۷، ۹۸۔ ابن اثیر جزری، اسد الغابہ: ۷/۳۰۳۔

ذوقِ عبادت

عبادت دین کی جان ہے۔ یہ خدا سے بندہ کے تعلق کا اظہار ہے۔ عبادت اہتمام خدا سے تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔ عبادت میں غفلت اور کوتاہی اس تعلق کو کم سے کم زور تر کرتی چلی جاتی ہے۔ اس پر قابو نہ پایا جائے تو اللہ تعالیٰ سے انسان کا رٹوٹ بھی سکتا ہے۔ دورِ اول کے مردوں کی طرح خواتین میں بھی عبادت کا بڑا ذوق؛ امہات المؤمنین اس میں بہت نمایاں تھیں۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؓ کے بارے میں حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:
 كَانَتْ اِمْرَاةً صَالِحَةً صَوَامَةً
 قَوَّامَةً
 وہ صالحہ، بہت زیادہ روزے رکھنے والی اور بہت شب زندہ دار خاتون تھیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

مَا رَأَيْتُ اِمْرَاةً قَطُّ خَيْرًا فِي
 الدِّينِ مِنْ زَيْنَبَ وَ اتَّقَى لِلّٰهِ وَ
 اَصْدَقَ حَدِيثًا وَ اَوْصَلَ لِلرَّحِمِ وَ
 اَعْظَمَ صَدَقَةً
 میں نے تقویٰ میں، راست گفتاری، صلہ رحمی اور صدقہ و خیرات میں ان سے بہتر کوئی عورت نہیں دیکھی۔

ایک موقع پر خود رسول اکرم ﷺ نے ان کی نیکی اور خدا ترسی کی شہادت دے کر چناں چہ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:
 اِنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ اَوْاهَةٌ
 زینب بنت جحش خشوع و خضوع والی اور اللہ سے ڈرنے والی ہیں۔

۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۱۰۳

۲۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب: ۴/۴۰۷۔

۳۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب: ۴/۴۰۸۔

ماز کا اہتمام

عبادات میں نماز کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ اس کے کچھ شرائط اور آداب ہیں۔ ان کی رعایت کے بغیر نہ تو اس کا حق ادا ہو سکتا ہے اور نہ اس سے پورا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اسے وقت پر ادا کیا جائے۔ ایک ساری خاتون امّ انسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ عشاء سے پہلے ہی مجھ نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے (اس لیے نماز کے چھوٹ جانے کا ڈر رہتا ہے)۔ آپؐ نے فرمایا: امّ انس! نماز جلدی پڑھ لیا کرو۔ جب رات کی تاریکی ہر طرف چھا جائے تو عشاء وقت ہو جاتا ہے۔ اس وقت تم نماز پڑھ لو۔ تمہیں کوئی گناہ نہ ہوگا!

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نماز کا کس قدر اہتمام کرتی تھیں۔ انہیں اس بات کی فکر تھی کہ کہیں ان کی نماز قضا نہ ہونے پائے۔

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ نماز کے اوقات میں جب بھی میں حضرت درداءؓ سے ملنے گیا تو ان کو حالت نماز ہی میں دیکھا!

ماز باجماعت میں شرکت

عورتوں کے لیے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ ان کے لیے زیادہ پسندیدہ یہی ہے کہ وہ گھروں میں نماز ادا کریں، لیکن جماعت کے بڑے فوائد ہیں۔ اگر حالات اجازت دیں اور کسی اخلاقی خرابی کا اندیشہ نہ ہو تو وہ مسجد میں نماز ادا کر سکتی ہیں۔ اسی وجہ سے شریعت نے ایک طرف تو ان کو گھر پر نماز پڑھنے کی ترغیب دی۔ دوسری طرف مردوں سے کہا کہ عورتیں مسجد جانا چاہیں تو انہیں منع نہ کریں۔

نرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ابن اثیر جزری، اسد الغابہ: ۷/۲۸۹۔ ابن حجر، الاصابہ: ۸/۳۵۷۔

نودی، تہذیب الاسماء واللغات: ۲/۳۶۱۔

اِذَا اسْتَاذَنْتْ اَحَدَكُمْ اِمْرَاَتُهُ
اِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعُهَا
تم میں سے کسی سے اس کی عورت
مسجد جانے کے لیے اجازت طلب
کرے تو اسے منع نہ کرے۔

یہی حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے:

لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ حُطُو ظُهُنَّ مِنَ
الْمَسَاجِدِ
مسجدوں میں عورتوں کا جو حصہ ہے
اس سے انھیں مت روکو۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمْ الْمَسَاجِدَ
وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ
اپنی عورتوں کو مسجد جانے سے منع نہ کرو
لیکن ان کے گھر ہی ان کے لیے بہتر ہیں۔

یہ اجازت زیادہ تر عشا اور فجر سے متعلق ہے، اس لیے کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

اِذَا اسْتَاذَنْتْكُمْ نِسَاؤُكُمْ
بِالْبَيْتِ اِلَى الْمَسْجِدِ فَاذْنُوهُنَّ
جب تمہاری عورتیں رات میں مسجد
جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت
دے دو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں خاص طور پر عشا اور فجر میں عورتوں کو جماعت میں شرکت کی اجازت تھی۔ روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ فی الواقع وہ ان نمازوں میں شریک ہوتی تھیں۔ ذیل میں اس سلسلے کی بعض روایات پیش کی جا رہی ہیں۔

۱ بخاری، کتاب الاذان، باب استیذان المرأة زوجها۔ مسلم، کتاب الصلوة، باب خروج الذی الی المساجد الخ۔

۲ مسلم، کتاب الصلوة، باب خروج النساء الی المساجد۔

۳ ابوداؤد، کتاب الصلوة، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد۔

۴ بخاری، کتاب الاذان، باب خروج النساء الی المساجد، باللیل والغسل۔ مسلم، کتاب الصلوة، باب خروج النساء الی المساجد۔

۱- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَصَلِّيَ الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفَ النِّسَاءُ مُتَلَفَعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ مَا يُعْرَفَنَّ مِنَ الْغَلَسِ ۚ

رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز اس قدر اندھیرے میں پڑھتے تھے کہ عورتیں چادروں میں لپیٹی ہوئی اپنے گھر واپس ہوتی تھیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

۲- حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں۔

إِنَّ النِّسَاءَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلَّى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللَّهُ فَإِذَا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ قَامَ الرِّجَالُ ۚ

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عورتیں فرض نماز سے سلام پھیرتے ہی کھڑی ہو جاتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ جو مرد نماز پڑھتے وہ اپنی جگہ، جب تک اللہ چاہتا بیٹھے رہتے (تاکہ عورتیں پہلے مسجد سے نکل جائیں) اور جب آپ اٹھتے تو وہ بھی اٹھتے۔

۳- حضرت ابوقحادہ انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَأَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ وَ أَنَا أُرِيدُ أَنْ أَطْوَلَ فِيهَا فَاسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَاتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةً أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّهِ ۚ

میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس میں لمبی قرأت کروں۔ اتنے میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں۔ یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ میں اس کی ماں کو پریشانی میں ڈالوں۔

۴- ایک مرتبہ عشا کی نماز میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نماز

بخاری، کتاب الاذان، باب خروج النساء الى المساجد بالليل والغلس۔ مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التكبیر بالصبح الخ۔

بخاری، کتاب الاذان، باب خروج النساء الى المساجد بالليل۔ صحیح حوالہ سابق

پڑھانے کے لیے حجرہ سے باہر تشریف نہیں لائے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کی اطلاع کو خاطر بہ آواز بلند عرض کیا کہ عورتیں اور بچے سو گئے۔ یہ سن کر آپ (نماز کے لیے تشریف لائے)

۵- زینب الشقیہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا شَهِدْتَ إِحْدَاكُنَّ الْعِشَاءَ جب تم میں سے کوئی عورت عشا کی
نماز میں شریک ہو تو اس رات خوشبو نہ
فَلَا تُطَيِّبِ تِلْكَ اللَّيْلَةَ ۱

استعمال کرے۔

یہی روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بُحُورًا فَلَا جس عورت نے خوشبو استعمال کی ہو وہ
تَشْهَدُ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْأُخْرَةَ ۲

ہمارے ساتھ عشا کی نماز میں شریک نہ ہو۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین عشاء اور فجر میں مسجد جایا کرتی تھیں اور باجماعت نماز ادا کرتی تھیں۔ حضرت ام سلمہ بنت ابو حکیمؓ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بوڑھی عورتیں آپ کے ساتھ فرض نمازیں ادا کرتی ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ ان نمازوں میں زیادہ تر بڑی بوڑھی عورتیں ہی شریک ہوئی ہوں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ جوان عورتیں بھی جماعت میں شریک ہوتی تھیں۔

ذکر و تسبیح

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو دعا اور ذکر و تسبیح کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ یہی

بنت یاسرؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ بخاری، حوالہ سابق

۲۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب خروج النساء الی المساجد الخ

۳۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب خروج النساء الی المساجد الخ

۴۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب: ۴/۳۹۔ ابن حجر، الاصابہ: ۸/۴۱۰، ۴۱۱۔

ابن اثیر الجزیری، اسد الغابہ: ۷/۳۳۱۔

اے عورتو! تم تسبیح (سبحان اللہ)، تہلیل (لا الہ الا اللہ) اور تقدیس (سبوح قدوس) کو لازم کرلو۔ انگلیوں کے پوروں سے ان کا شمار کرو۔ اس لیے کہ انگلیوں سے بھی پوچھا جائے گا۔ اور کہلویا جائے گا۔ ذکر سے غفلت نہ کرو۔ ورنہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاؤ گی۔

عَلَيْكُمْ بِالتَّسْبِيحِ وَالتَّهْلِيلِ
وَالْتَقْدِيسِ وَاعْقِدْنَ بِالْأَنَامِلِ
فَإِنَّهُنَّ مَسْئُولَاتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ
وَلَا تَغْفَلَنَّ فَنَسِيْنَ الرَّحْمَةِ

رسول اللہ ﷺ نے بعض اوقات خواتین کو خاص خاص اذکار کی بھی تلقین فرمائی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کے پاس کوئی خادم نہیں تھا۔ گھر کا کام کاج ہی کرتی تھیں۔ آٹا پیسنے کی وجہ سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ ایک موقع پر ر غلام آئے ہوئے تھے۔ حضرت فاطمہؓ آپ سے اپنی پریشانیوں کا ذکر کرنے اور ایک کی درخواست کرنے گئیں۔ آپ گھر پر نہیں تھے تو حضرت عائشہؓ سے اس کا ذکر کے چلی آئیں۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت فاطمہؓ کی آمد اور ان کی رت کا تذکرہ کیا۔ آپ شب میں ہمارے گھر تشریف لائے۔ ہم لوگ لیٹ چکے۔ آپ کو دیکھ کر ہم اٹھ بیٹھے۔ آپ نے فرمایا: نہیں! لیٹے رہو، اور ہم دونوں کے بیچ اس طرح بیٹھ گئے کہ قدم مبارک میرے شکم سے لگا ہوا تھا اور میں اس کی ٹھنڈک بں کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگوں نے جس چیز کی درخواست کی ہے کیا سے بہتر چیز میں بتاؤں؟ وہ یہ ہے کہ جب اپنے بستر پر لیٹو تو تینتیس (۳۳) مرتبہ ن اللہ، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ ارے لیے خادم سے بھی بہتر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: یہ کلمات ہر نماز کے بعد اور سوتے

پڑھا کرو۔

ندی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی التسبیح۔ ابوداؤد، کتاب الوتر، باب التسبیح بالحصی۔
خاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب علی بن ابی طالب القرشی۔
سلم، کتاب الذکر والدعاء، باب التسبیح اول النہار وعند النوم۔

حضرت فاطمہؓ نے خادم کی درخواست کی اور آپؐ نے اس کے جواب :
اللہ کی تسبیح، تحمید اور تکبیر کی تلقین فرمائی۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے
اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انسان کی توانائی اور قوتِ کار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔
رسول اللہ ﷺ کی ایک صاحبِ زادی بیان کرتی ہیں کہ آپ ان کو اس دعا
تعلیم دیا کرتے تھے:

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَلَا
قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ مَا شَاءَ اللَّهُ كَانَ وَمَا
لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ
قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ○
میں اللہ کی تسبیح اور حمد کرتی ہوں۔
نیکی اور بھلائی کی قوت اللہ ہی سے مل
سکتی ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور
جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ مجھے یقین ہے
کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کے علم
نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: جو شخص صبح یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ شام تک اور جو شام
پڑھے تو صبح تک اس کی حفاظت فرمائے گا۔

ان کلمات میں جس توکل، اعتماد اور سپردگی کا اظہار کیا گیا ہے اگر وہ فی الو
دل میں پیدا ہو جائے اور پھر انسان کی زبان سے وہ ادا بھی ہوں تو یقین ہے کہ اللہ ت
شب و روز اس کی حفاظت فرمائے گا۔

امہات المؤمنین اور دوسری خواتین اوراد و وظائف اور ذکر و تسبیح کا جو اہتمام آ
تھیں، اس کا اندازہ ذیل کے دو ایک واقعات سے ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے بعد ام المؤمنین حضرت جویریہؓ کے ہاں سے
تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ اپنے مصلیٰ پر تھیں۔ چاشت کے بعد واپس ہو۔
دیکھا کہ وہ اسی جگہ بیٹھی ہوئی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: میں نے جاتے وقت (اللہ کا
کرتے ہوئے) جس حالت میں تمہیں چھوڑا تھا کیا اب تک اسی حالت میں ہو؟ انہ

نے اثبات میں جواب دیا۔ آپؐ نے فرمایا: تمہارے ہاں سے جانے کے بعد میں نے چار کلمات کہے ہیں، لیکن وہ (معنویت کے لحاظ سے) وزن میں تمہارے اب تک کے ذکر کے برابر ہوں گے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ
خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِينَةَ عَرْشِهِ
وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ ۱

میں اللہ کی تسبیح اور حمد کرتا ہوں اس کی
مخلوقات کی تعداد کے برابر، اس کی ذات
کی رضا کے برابر، اس کے عرش کے برابر
اور اس کے کلمات کی روشنائی کے برابر۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک عورت (غالباً وہ امہات المؤمنین ہی میں سے کوئی تھیں) کے ہاں گئے۔ آپؐ نے دیکھا کہ ان کے سامنے گٹھلیاں یا کنکریاں پڑی ہوئی ہیں اور وہ ان کے ذریعہ تسبیحات کا شمار کر رہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا میں تسبیح کا اس سے آسان اور افضل طریقہ بتاؤں؟ وہ یہ کہ تم اس طرح کہو:

سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ
اللَّهُ فِي السَّمَاءِ وَ سُبْحَانَ اللَّهِ
عَدَدَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي الْأَرْضِ وَ
سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذَلِكَ
وَ سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقُ
وَاللَّهُ أَكْبَرُ مِثْلُ ذَلِكَ وَالْحَمْدُ
لِلَّهِ مِثْلُ ذَلِكَ ۲

میں اللہ کی تسبیح کرتی ہوں اتنی جتنی
کہ آسمان میں اللہ کی مخلوقات ہیں۔ میں
اللہ کی تسبیح کرتی ہوں اتنی جتنی کہ زمین
میں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہیں۔ میں اللہ
کی تسبیح کرتی ہوں اتنی جتنی کہ زمین و
آسمان میں چیزیں ہیں۔ میں اللہ کی تسبیح
کرتی ہوں اتنی جتنی کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات
کو پیدا کرنے والا ہے۔ اللہ کی بڑائی
بھی اس کے برابر اور اللہ کی حمد بھی اسی
کے برابر۔

۱۔ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب التَّسْبِيحِ أَوَّلُ النَّهَارِ وَعِنْدَ النُّومِ۔

۲۔ ترمذی، کتاب الدعوات، باب فِي دَعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ وَتَعُوذُهُ بِرُكُلِ صَلَاةٍ۔

انسان اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی تسبیح و تحمید کرے کم ہے۔ اس میں وہ شب و روز لگا رہے تو بھی اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث میں اس کے لیے ایسے اعداد کا سہارا لیا گیا ہے، جن کی حد و نہایت نامعلوم ہے۔ تاکہ انسان ان کے ذریعے اپنے بے پایاں جذبہ عبودیت کا اظہار کر سکے۔

کثرتِ عبادت

بعض غیر معروف صحابیات میں بھی عبادات کا بڑا ذوق تھا۔ حضرت عمرؓ کی ایک باندی کا نام زائدہ تھا۔ ان کے بارے میں آتا ہے:

كَانَتْ مِنَ الْمُجْتَهِدَاتِ فِي
الْعِبَادَةِ وَ كَانَ النَّبِيُّ يُدْنِيهَا لِمَا
يَعْلَمُ مِنْهَا ۱

وہ ان خواتین میں تھیں، جو عبادت کے
سلسلے میں بڑی محنت کرتی تھیں۔ ان کی اس
خوبی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ انہیں
قریب رکھتے تھے۔

بعض صحابیات اس قدر عبادت کرتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں میانہ روی اور اعتدال کی تاکید فرمائی۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس حواء بنت تویت بیٹھی ہوئی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا: یہ حواء بنت تویت ہیں۔ ان کی عبادت کا بڑا چرچا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رات کو سوتی نہیں ہیں، نماز پڑھتی رہتی ہیں۔ آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور کہا:

مَهْ عَلَيْكُمْ بِمَا تَطِيقُونَ
فَوَ اللَّهُ لَا يَمَلُّ اللَّهُ حَتَّى تَمَلُّوا وَ
كَانَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ
مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ ۲

ایسا نہ کرو۔ اتنی ہی عبادت کرو جتنی
تمہارے اندر طاقت ہے۔ اللہ کی قسم، اللہ
تعالیٰ (اپنے فضل سے تو) اکتائے گا نہیں،
تم خود اکتا جاؤ گے۔ اللہ کے نزدیک دین
(کا وہی عمل) پسندیدہ ہے جس پر عمل کرنے
والا مداومت اور پابندی اختیار کرے۔

۱ ابن اثیر، اسد الغابہ: ۷/ ۱۲۳ یہ ایک طویل روایت کا حصہ ہے۔ اسے بعض محدثین نے موضوع قرار دیا ہے۔ ابن حجر: الاصابہ: ۸/ ۱۳۹، ۱۵۰۔

۲ بخاری، کتاب الایمان، باب احب الدین الی اللہ ادومہ۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب فضیلتہ العمل الدائم الخ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ مسجد کے دو دنوں کے بیچ میں رسی بندھی ہوئی ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہاں یہ رسی کیسی؟ وہ نے عرض کیا کہ یہ حضرت زینبؓ (عالمباہم المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؓ) کی ہے۔ وہ رات میں نماز پڑھتی رہتی ہیں۔ جب تھک جاتی ہیں تو اسی کا سہارا لینے لگتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

لَا حُلُوهُ لِيُصَلِّيَ أَحَدُكُمْ نَشَاطَةً
فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ
نہیں! یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ اسے کھول دو۔ جب تک تم میں سے کسی شخص میں نشاط اور تازگی باقی ہے اسے نماز پڑھنا چاہیے۔ جب تھک جائے تو اسے بیٹھ جانا چاہیے۔

دو مرتبہ میں حضرت رابعہ بصریہ اپنی عبادت و ریاضت میں بہت مشہور ہیں۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

كَانَتْ مِنْ أَعْيَانِ عَصْرِهَا وَ
أَخْبَارُهَا فِي الصَّلَاحِ وَالْعِبَادَةِ
مَشْهُورَةٌ
وہ اپنے وقت کے بڑے لوگوں میں تھیں۔ صلاح و تقویٰ اور عبادت میں ان کے واقعات مشہور ہیں۔

ان کی ایک خادمہ بیان کرتی ہیں کہ وہ رات بھر نماز پڑھتی رہتیں۔ طلوع فجر کے وقت ذرا سی دیر کے لیے مصلیٰ ہی پر لیٹ جاتیں۔ جب دن نکل آتا تو گھبرا کر سٹ اپنے بستر سے یہ کہتے ہوئے اٹھ بیٹھتیں: اے نفس کتنی دیر سوئے گا اور کب تک اٹھے گا۔ وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے جب کہ تو ایسا سوئے گا کہ قیامت ہی میں اٹھے گا۔ وہ دعا میں کہتی تھیں: اے اللہ کیا تو اس دل کو آگ میں ڈالے گا، جو تجھ سے بت کرتا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ ایک دن غیب سے آواز آئی کہ ایسا نہیں ہوگا۔ تمہیں رے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہیے۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے ان کے نزدیک

بخاری، کتاب التہجد، باب ما یکرہ من التشدید فی العبادۃ۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب فضیلتہ الالدائم۔

آخرت کو یاد کر کے کہا، و احزناہ ہائے رے غم و حزن۔ انہوں نے کہا: غلط بات مت کہو یوں کہو، ہائے کس قدر غم کم ہے۔ اس لیے کہ صحیح معنی میں وہاں کا غم لاحق ہو جائے سانس لینا دو بھر ہو جائے۔^۱

ام الصہباء، معاذہ بنت عبد اللہ کو ابن حبان نے عبادت میں شمار کیا ہے۔ جاتا ہے کہ ان کے شوہر ابو الصہباء کے انتقال کے بعد اپنی وفات تک کبھی بستر پر نہیں لیٹیں۔ وہ شب زندہ دار خاتون تھیں۔ فرماتی تھیں: ان آنکھوں پر تعجب ہوتا ہے، جو سو رہتی ہیں، جب کہ انہیں معلوم ہے کہ قبر میں لمبی نیند سونا ہے۔ وہ شریعت کی پابندی اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا اپنا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ ان کو پیٹ کی کوئی شکایہ ہوئی تو گھڑے میں رکھے ہوئے نیبذ کو (جس میں نشہ آجاتا ہے) بطور علاج تجویز کیا۔ جب ان کو اس کا پیالہ پیش کیا گیا تو انہوں نے اسے رکھ کر دعا کی: خدایا! تو جا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے استعما سے منع فرمایا ہے۔ تو مجھے اس سے بچالے اور اپنے کرم سے صحت عطا کر۔ اس دعا سے ساتھ پیالہ الٹ گیا اور ان کی تکلیف دور ہو گئی۔^۲

روزے کا شوق

روزہ دین کا ایک اساسی رکن ہے۔ تقویٰ و طہارت اور خدا سے تعلق پہ کرنے میں نماز کی طرح روزہ کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ اسی وجہ سے فرض روزوں سے

۱۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۲/۳۸

۲۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲/۳۰۱۔ صفی الدین الخزری، خلاصۃ تہذیب الکمال ۳/۳۹۳۔ یہاں اس امر کا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ کسی بھی عمل کے صحیح یا غلط ہونے کا فیہ کتاب و سنت کی روشنی میں ہوگا۔ اس کتاب میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں کہو افراط و تفریط نظر آئے تو وہ حجت نہیں ہوں گے۔ ان کا ذکر صرف اس پہلو سے کیا گیا ہے۔ دور اول کی خواتین عبادت کا کس قدر اہتمام کرتی تھیں اور اللہ سے ان کا تعلق کتنا مضبوط تھا۔

مسلمان عورت کی تاریخ

وہ نفل روزوں کی بھی بڑی فضیلت بیان ہوئی اور اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ حدیث سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابیات نفل روزے بکثرت رکھا کرتی تھیں۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بارے میں سعد بن ابراہیم کہتے ہیں:

كَانَتْ تَصُومُ الدَّهْرَ ۱

وہ صائمہ الدہر تھیں۔

ان کے بھتیجے قاسم بن محمد کہتے ہیں:

كَانَتْ تَسْرُدُ الصَّوْمَ ۲

وہ مسلسل روزے رکھا کرتی تھیں۔

ام المومنین حضرت حفصہؓ بھی نفل روزے بہت زیادہ رکھتی تھیں۔ حضرت نافعؓ

ماتے ہیں:

مَا مَاتَتْ حَفْصَةُ حَتَّىٰ مَا تُفْطِرَ ۳

حضرت حفصہؓ کا اس وقت انتقال ہوا

جب کہ وہ لگاتار روزے رکھنے لگی تھیں۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں طلاق دینی چاہی تو

ما نازل ہوئی اور حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا:

رَاجِعْ حَفْصَةَ فَإِنَّهَا صَوَّامَةٌ ۴

حفصہؓ سے رجوع کرلو، اس لیے کہ

وہ بڑی روزہ دار اور راتوں میں قیام

کرنے والی ہیں اور وہ جنت میں بھی

آپ کی پیروی ہوں گی۔

صحابیات کے نفل روزوں سے متعلق بہت سے منتشر واقعات حدیث کی

کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان سے روزہ کے سلسلہ میں ان کے رجحان کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ وہ اور حضرت حفصہؓ دونوں روزے سے تھیں۔

ما اثنا میں کھانا سامنے آیا تو انھوں نے کھالیا۔ حضرت حفصہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے

ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۶۸۔

ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۷۵۔

ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۸۶۔

ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۸۲۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۳/۷۳۔

اس کا ذکر کیا تو دوسرے دن اس کی قضا کا آپؐ نے حکم دیا۔

رسول اللہ ﷺ ام المؤمنین حضرت جویریہؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ جمعہ دن تھا۔ وہ روزے سے تھیں۔ آپؐ نے ان سے پوچھا۔ کیا تم نے کل روزہ رکھا تھا انھوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپؐ نے پھر پوچھا: کیا کل روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: روزہ توڑ دو۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ انھوں نے روزہ توڑ دیا۔

حضرت ام ہانیٰ فتح مکہ کے دن کا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ حضرت فاطمہؓ آپؐ کے بائیں جانب اور یہ آپؐ کے دائیں طرف بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک باندی پینے کی کوئی چیز لائی۔ آپؐ نے پینے کے بعد حضرت امؓ کی طرف اسے بڑھایا۔ انھوں نے اسے (تبرک سمجھ کر فوراً) پی لیا اور کہا: حضور! یہ روزے سے تھی، لیکن میں نے (آپؐ کا جوٹھاپی لیا)۔ آپؐ نے فرمایا: قضا کا روزہ نہیں رکھا تھا۔ انھوں نے عرض کیا: نہیں! نفل تھا۔ آپؐ نے فرمایا: نفل روزہ رکھنے وا۔ کو اس کا اختیار ہے کہ وہ چاہے تو روزہ پورا کرے، چاہے درمیان میں توڑ دے۔

ام عمارہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن ان کے گھر تشریف لائے۔ انھوں نے کھانا پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا: تم بھی کھاؤ۔ انھوں نے عرض کیا: میں روزے میں ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: روزہ دار کے پاس جب کھانا کھایا جاتا ہے تو اس سے فار

۱۔ ترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی ایجاب القضاء۔ ابوداؤد، کتاب الصوم، باب من را علیہ القضاء۔

۲۔ بخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم الجمعة۔ جمہور کے نزدیک خاص طور پر جمعہ کا روزہ ر مکروہ ہے۔

۳۔ ترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی افطار الصائم المتطوع۔ ابوداؤد، کتاب الصوم، باب الرخصة فی ذلک۔ دارمی، کتاب الصوم، باب فی من یصح صائماً تطوعاً ثم یفطر۔

فقہاء میں حضرت عائشہؓ کی حدیث پر احناف کا اور ام ہانیٰ کی روایت پر شوافع کا عمل ہے۔

ہونے تک فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔

ربیع بنت معوذہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء (دسویں محرم) کو انصار کے مخلوں میں اعلان کرایا کہ جس نے کھاپی لیا ہو وہ شام تک کچھ نہ کھائے اور جس نے روزہ رکھا ہو وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ اس کے بعد سے ہم خود بھی روزہ رکھتے تھے اور اپنے بچوں کو بھی رکھواتے تھے۔ جب وہ بھوک سے روتے تو ہم اون کے کھلونے بنا کر شام تک ان کو بہلائے رکھتے۔

دوسروں کی طرف سے روزے رکھنے کا بھی ذکر ملتا ہے۔

ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس پر پندرہ روزے فرض ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس پر ایک مہینہ کے روزے فرض ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ دو مہینہ کے روزے فرض ہیں۔ کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: اگر اس پر کسی کا قرض ہوتا تو تم ادا نہ کرتیں؟ اس نے عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: اللہ کا قرض تو اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنے والا مرد تھا۔

ہوسکتا ہے کہ یہ متعدد واقعات ہوں۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سوالات مختلف قسم کے ہیں۔

۱۔ ترمذی: ابواب الصوم، باب ماجاء فی فضل الصائم اذا اکل عنده۔ درواہ احمد وابن ماجہ والدارمی (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصوم)

۲۔ بخاری، کتاب الصوم، باب صوم الصبیان۔ مسلم، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء۔

۳۔ بخاری: کتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم۔ مسلم، کتاب الصیام، باب قضاء الصوم عن المیت۔ یہاں اس مسئلہ کی فقہی حیثیت سے بحث نہیں ہے۔ صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک میت کی طرف سے روزوں کی قضا نہیں ہے۔

جذبہ انفاق

قرآن و حدیث میں نماز کے بعد سب سے زیادہ زور انفاق پر دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ اسی کی ایک قانونی شکل ہے۔ نماز کے ذریعہ انسان اس جذبہ کا اظہار کرتا ہے کہ اس کا دل و دماغ اور اعضا و جوارح سب کچھ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور انفاق اس بات کی علامت ہے کہ وہ مال کو اپنی ملکیت نہیں سمجھتا اور اسے ہر اس جگہ خرچ کرنے کے لیے تیار ہے جہاں خرچ کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ انفاق کا مطالبہ مردوں سے بھی ہے اور عورتوں سے بھی۔ قرآن میں انفاق کرنے والے مردوں اور عورتوں سے اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

إِنَّ الْمُصَدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَعَّفَ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ (الحديد: ۱۸)

بے شک صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور جنھوں نے اللہ کو قرض حسن دیا ان کو بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین اجر ہے۔

احادیث میں عورتوں کو مختلف پہلوؤں سے انفاق کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس میں ان کے مزاج، نفسیات اور ماحول کی بھی پوری رعایت کی گئی ہے۔

حضرت جابرؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک عید کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خواتین سے الگ خطاب کیا۔ اس میں آپ نے ان کو صدقہ و خیرات کی بھی ترغیب دی۔ اس پر خواتین اپنے زیورات اور دوسری چیزیں پیش کرنے لگیں۔ حضرت بلالؓ انھیں اپنی چادر میں جمع کر رہے تھے!

حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کو آپ نے نصیحت فرمائی:

أَنْفِقِي وَلَا تُحْصِي فَيُحْصِيَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَلَا تُوعِي فَيُوعِي اللَّهُ عَلَيْكَ

خرچ کرو۔ شمار مت کرو (کہ کیا دیں اور کیا نہ دیں) ورنہ اللہ بھی گن کر تمہیں دے گا۔ اور نہ بچا بچا کر حفاظت سے رکھو ورنہ اللہ بھی اسی طرح دے گا۔

۱۔ بخاری، کتاب العیدین، باب موعظة الامام النساء يوم العید۔ مسلم، کتاب العیدین۔
 ۲۔ بخاری، کتاب الہبۃ، باب ہبۃ المرأة لغير زوجها۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الاحت علی الانفاق وکراہیۃ الامساک۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم لوگوں نے ایک مرتبہ بکری ذبح کی۔ (اور سے تقسیم کر دیا) آپ نے دریافت فرمایا: کچھ اس میں سے باقی ہے۔ ہم نے رض کیا: صرف شانہ رہ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: یوں کہو، شانہ کے علاوہ سب کچھ رہ گیا ہے!

اس طرح آپ نے یہ تصور ذہن نشیں کرایا کہ انسان، جو بھی صدقہ و خیرات لرتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا، بلکہ ضائع تو وہ ہوتا ہے جسے کھاپی کر وہ ختم کر دیتا ہے۔ صدقہ و خیرات ہی درحقیقت باقی رہتے ہیں، اس لیے کہ ان کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے۔

بعض اوقات انسان اس حیثیت میں نہیں ہوتا کہ کسی کی کوئی بڑی مدد کرے۔ تھوڑی سی مدد کرتے ہوئے اسے تامل ہوتا ہے۔ یہ صورت حال خواتین کے ساتھ زیادہ تر پیش آتی ہے۔ آپ نے ان کو ہدایت فرمائی صدقہ چھوٹی سے چھوٹی چیز کا بھی سکتا ہے۔ اس سے چاہے ضرورت مند کی حقیقی ضرورت پوری نہ ہو، وقتی سہارا اسے سکتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھجور کا ایک ٹکڑا ہی سہی، بے کر جنم سے بچو۔ یہ شکم سیر انسان کے جیسے کام آتا ہے بھوکے کے بھی کام آتا ہے! ام بجد کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ سائل میرے دروازہ آتا ہے۔ کبھی گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی، جو اسے دے سکوں۔ اس لیے شرم محسوس ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا (سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ) کچھ نہ ہو تو جلا ہوا کھر ہی سہی، بے کر بھیجو۔

ترمذی: ابواب صفة القيامة، باب ۳۳۔

قال المنذرى: رواه احمد باسناد حسن۔ الترغيب والترهيب: ۶/۲۔

ترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی حق السائل۔

جلا ہوا کھر ایک بے فائدہ چیز ہے۔ اس میں سائل کو خالی ہاتھ لوٹانے کی سخت ممانعت اور اسے کچھ نہ کچھ دینے کی تاکید ہے۔

عورتوں کے تعلقات زیادہ تر رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے ہوتے ہیں۔ ان کا حق بھی زیادہ ہے۔ احادیث میں عورتوں کو اس حق کے ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی بیوی اور ایک انصاری خاتون نے حضرت بلالؓ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ سے یہ دریافت کیا کہ کیا وہ اپنے شوہروں اور بچوں پر بھی صدقہ کر سکتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں وہ ان پر بھی صدقہ کر سکتی ہیں۔

لَهُمَا أَجْرَانِ أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَ
أَجْرُ الصَّدَقَةِ ۱
ان کو تو دو گنا اجر ملے گا، قرابت کا
اجر بھی اور صدقہ کا اجر بھی۔

حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں اپنے شوہر ابو سلمہؓ کے بچوں پر خرچ کروں، جو میرے ہی بچے ہیں اور جن کو میں چھوڑ بھی نہیں سکتی کیا اللہ تعالیٰ مجھے اس کا ثواب دے گا؟ آپؐ نے فرمایا:

أَنْفَقِي عَلَيْهِمْ فَلَكَ أَجْرُ مَا
أَنْفَقْتِ عَلَيْهِمْ ۲
ان پر خرچ کرو۔ تم جو بھی ان پر
خرچ کرو گی تمہیں اس کا اجر ملے گا۔

حضرت میمونہؓ نے ایک باندی آزادی کی۔ انھوں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم اسے اپنے ماموں کو دے دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔ (غالباً وہ اس کے ضرورت مند تھے)

۱۔ بخاری، کتاب النفقات، باب الزکوٰۃ علی الزوج والایتام فی الحج۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقۃ علی الاقربین والزوج الخ۔

۲۔ بخاری، کتاب النفقات، باب الزکوٰۃ علی الزوج والایتام فی الحج۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقۃ علی الاقربین والزوج الخ۔

۳۔ بخاری، کتاب البیۃ، باب ہبۃ المرأة لغير زوجها الخ۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقة والصدقۃ علی الاقربین۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا
 تَحْقِرَنَّ جَارَةَ لِبِجَارَتِهَا وَ لَوْ
 فَرَسَنَ شَاةٍ
 اے مسلمان عورتو! تم میں سے کوئی
 پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے۔ اگرچہ
 بکری کا ایک کھر ہی کیوں نہ (بہر حال
 ہدیہ دے)۔

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ مسلمان عورت کو حسب استطاعت پڑوسن کو ہدیہ اور تحفہ دیتے رہنا چاہیے۔ اگر کوئی بڑی چیز نہ دے سکے تو چھوٹی ہی چیز دے۔ یہ نہ سوچے کہ چھوٹی سی چیز کیا پیش کی جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جسے ہدیہ جائے وہ یہ نہ دیکھے کہ کیا چیز دی جا رہی ہے اور کس قیمت کی دی جا رہی ہے، بلکہ جذبہ اور محبت کی قدر کرے، جو اس کے پیچھے کام کر رہا ہے۔ اور چھوٹی سے چھوٹی کو بھی رد نہ کرے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: میرے دو بی بی ہیں۔ ان میں سے کس کے ہاں تحفہ بھیجوں؟ آپ نے فرمایا: جس کا دروازہ تم سے کبھی نہ ہو اس کے ہاں بھیجو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ پڑوسی کے حقوق پہچانتی تھیں، البتہ وہ جانتا چاہتی تھیں کہ ایک سے زیادہ پڑوسی ہوں تو کس کا حق زیادہ ہے؟ ان اصولی تعلیمات کے بعد اب دور اول کی مسلمان خواتین کے انفاق کا کسی رذکر کیا جا رہا ہے:

امّ المؤمنین حضرت زینبؓ کے اندر انفاق کا غیر معمولی جذبہ تھا اور وہ بہت بڑی صدقہ و خیرات کیا کرتی تھیں۔ امام ذہبیؒ ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

كَانَتْ مِنْ سَادَةِ النِّسَاءِ دِينًا ۖ دین، تقویٰ، جود و سخا اور نیکی اور
وَزَعًا وَجُودًا وَ مَعْرُوفًا رَضِيَ ۖ بھلائی کے لحاظ سے ان کا شمار سردار
اللَّهُ عَنْهَا ۖ خواتین میں ہوتا تھا۔ رضی اللہ عنہا۔

حال یہ تھا کہ محنت کر کے کچھ کماتیں اور اسے غریبوں اور ناداروں میں تقسیم
کر دیتیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج سے فرمایا:

أَسْرَعُكُمْ لِحَاقًا بِي ۖ تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی
أَطْوَلُكُمْ يَدًا ۖ جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں۔

ہم لوگ اپنے ہاتھ ناپا کرتے تھے، تاکہ یہ دیکھیں کہ کس کا انتقال پہ
ہوگا۔ حضرت زینبؓ چھوٹے قدم کی تھیں، لیکن ان کا انتقال سب سے پہلے ہوا۔ ۲۱
سے ہمیں معلوم ہوا کہ آپ کا منشا یہ تھا کہ صدقہ و خیرات میں، جو سب سے آگے
ہے اس کا پہلے انتقال ہوگا۔ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتیں اور جو حاصل ہوتا اسے
صدقہ کر دیتی تھیں۔

برزہ بنت رافع کہتی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بارہ ہزار درہم ان کے
بیت المال سے بھیجے۔ جب یہ خطیر رقم ان کے پاس پہنچی تو کہا: میں اس کا
کروں؟ میری دوسری بہنیں (ازواج مطہرات) اس کی تقسیم کی زیادہ صلاحیت رکھتی
ہیں۔ کہا گیا: یہ ساری رقم آپ ہی کے لیے ہے۔ فرمایا: سبحان اللہ! اسے رکھ دو اور
ایک کپڑے سے ڈھک دو۔ پھر مجھ سے کہا: اس میں ہاتھ ڈالو اور ایک مٹھی فلاں
کے ہاں اور ایک مٹھی فلاں کے ہاں پہنچا آؤ۔ اس طرح اپنے رشتہ داروں اور
یتیموں کے درمیان اسے تقسیم کراتی رہیں۔ جب تھوڑی سی رقم رہ گئی تو میں نے کہ

۱ ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۳۹۔

۲ مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل زینب ام المومنین۔

۱ میں ہمارا بھی تو حق ہے؟ جواب دیا: اچھا اب کپڑے کے نیچے، جو کچھ رہ گیا ہے وہ تمہارا ہے۔ یہ پینتیس (۳۵) درہم تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب نعت عمرؓ کے علم میں یہ بات آئی کہ انہوں نے ساری رقم اس طرح تقسیم کر دی ہے فرمایا: ان سے خیر ہی کی توقع ہے۔ پھر خود گھر تشریف لے گئے۔ دروازے پر ہڑے ہو کر سلام کیا۔ مزید ایک ہزار درہم بھیجے اور درخواست کی کہ اسے اپنی روایات میں خرچ کریں۔ لیکن اسے بھی انہوں نے تقسیم کر دیا۔

غیرت کا یہ عالم تھا کہ بیت المال سے اس وظیفہ کے ملنے کے بعد آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! عمرؓ کا وظیفہ لینے کے لیے اب مجھے زندہ نہ رہ۔ چنانچہ ان کا اسی سال انتقال ہو گیا۔

اپنا کفن خود تیار کر رکھا تھا۔ ادھر حضرت عمرؓ نے بھی ان کے انتقال کے وقت بیت المال سے پانچ کپڑے خود منتخب کر کے بھیجے۔ ان ہی کپڑوں میں کفن دیا یا اور ان کی بہن حمنہ بنت جحش نے اس کفن کو، جسے انہوں نے تیار کیا تھا، صدقہ رد دیا۔

حضرت زینبؓ کے انتقال پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

ذَهَبَتْ حَمِيدَةٌ، فَقِيْدَةٌ،
مَفْرُوعُ الْيَتَامَى وَالْأَرَامِلِ ۚ
چلی گئیں وہ جو قابل تعریف، بے مثال،
تیمیوں اور بیواؤں کی پناہ گاہ تھیں۔

عثمان بن عبد اللہ جحشی کہتے ہیں:

مَا تَرَكَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ
جَحْشٍ دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا كَانَتْ
زینب بنت جحش نے کوئی درہم یا
دینار نہیں چھوڑا، جو کچھ ہاتھ آتا صدقہ

ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۱۰۹، ۱۱۰۔

ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۱۱۰۔

تَصَدَّقَ بِكُلِّ مَا قَدَرْتَ عَلَيْهِ وَ كَرَدِيَتِيں۔ وہ مسکینوں کی پناہ گاہ
كَانَتْ مَأْوَى الْمَسَاكِينِ تھیں۔

فرماتے ہیں: جس مکان میں وہ رہتی تھیں ان کے انتقال کے بعد ولید؛
عبد الملک نے مسجد نبوی کی توسیع کے لیے اسے پچاس ہزار درہم میں خریدا تھا؛
رسول اللہ ﷺ، امہات المؤمنین میں حضرت عائشہؓ سے سب سے زیادہ محب
فرماتے تھے۔ اس وجہ سے حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ بھی زیادہ رکھا تھا۔ چنانچہ
انہوں نے ازواجِ مطہرات میں سے ہر ایک کا دس ہزار درہم اور حضرت عائشہؓ
بارہ ہزار درہم وظیفہ مقرر فرمایا؛

لیکن حضرت عائشہؓ بڑی فیاض تھیں۔ جو کچھ ملتا اسے خرچ کر دیتی تھیں
ان کی فیاضی اور انفاق کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہو سکتا ہے:

ام ذرہ کہتی ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے دو تھیلیاں، جس میں ایک لا
درہم ہوں گے، حضرت عائشہؓ کے پاس بھجوائے۔ انہوں نے طبق منگوا یا اور اسی۔
ساری رقم لوگوں میں تقسیم کرادی۔ اس دن وہ روزہ سے تھیں۔ شام ہوئی تو مجھ سے کہ
اے لڑکی! افطار تو لاؤ۔ میں نے عرض کیا: آج آپ نے اتنی بڑی رقم تقسیم فرمائی۔ کیا
ممکن نہیں تھا کہ اس میں سے افطار کے لیے گوشت منگوا لیتیں۔ فرمایا: جانے دار
ملا مت مت کرو۔ اگر پہلے تم ذکر کرتیں تو گوشت بھی منگوا ہی لیتی۔ ۱

عطاء بن ابی رباح کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ
کو ایک لاکھ درہم بھجوائے۔ انہوں نے وہ امہات المؤمنین کے درمیان تقسیم کر دیے۔ ۲
عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ نے ستر ہزار در

۱ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۱۱۴۔

۲ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۶۷۔

۳ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۶۷۔

۴ ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۴۱۔

صدقہ و خیرات کیے اور خود ان کا یہ حال تھا کہ اپنے کپڑوں میں پیوند لگا رہی تھیں۔
 ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ اسلام سے قبل بھی مسکینوں اور محتاجوں کی
 بہت مدد کیا کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے ان کو ام المساکین (مسکینوں کی ماں) کہا جاتا تھا۔
 ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ کو حضرت عمرؓ نے درہموں سے بھرا ہوا ایک
 جھولا بھجوایا۔ جب ان کے پاس یہ جھولا پہنچا تو انھوں نے پوچھا: اس میں کیا ہے؟ عرض
 کیا گیا: درہم ہیں۔ فرمایا: کیا کھجور کی طرح درہم بھرے گئے ہیں؟ پھر ایک لڑکی سے کہا:
 ایک طبق لاؤ۔ اسی طبق سے وہ ساری رقم تقسیم کرا دی۔

حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکرؓ کی صاحب زادی اور حضرت عائشہؓ کی سگی بہن
 تھیں۔ محمد بن منکدرؓ ان کے بارے میں کہتے ہیں:

كَانَتْ سَخِيَّةَ النَّفْسِ ۚ طَبِيعَتِ كِي سَخِي تَهِيں۔

اپنی لڑکیوں اور گھر والوں کو نصیحت کرتی تھیں: انفاق اور خیرات کرو۔ یہ نہ
 سوچتے رہو کہ اخراجات کے بعد کچھ بچے تو بھلائی کے کاموں میں خرچ کریں گے۔
 بچت کا انتظار کروگی تو کوئی چیز بچے گی نہیں۔ اور اگر خرچ کروگی تو اس کا فقدان بھی
 نہیں ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے ایک ہزار درہم ان کا وظیفہ مقرر کیا تھا۔ لیکن ان کے انفاق
 کا عجب عالم تھا۔ ابو الزبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ سے
 زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا۔ لیکن دونوں کا انداز مختلف تھا۔ حضرت عائشہؓ ایک چیز

۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۶۶/۸۔

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱۱۵/۸۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۳۰۹۔

۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۵۶/۸۔ ابن حجر، الاصابہ: ۱۹۷/۸۔

۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲۵۲/۸۔

۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲۵۲/۸۔

۶۔ حوالہ سابق: ص ۲۵۳۔

جمع کرتیں اور پھر جہاں ضرورت ہوتی استعمال کرتیں۔ لیکن حضرت اسماءؓ کل کے لیے کچھ اٹھا کر نہیں رکھتی تھیں۔ جو کچھ ہاتھ آتا سب اسی وقت خرچ کر دیتیں! فاطمہ بنت منذر کہتی ہیں: کبھی بیمار ہوتیں تو اپنے پاس جو غلام ہوتے انھیں آزاد کر دیتی تھیں!

حج اور عمرہ

اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک حج بھی ہے۔ حج مخصوص دنوں میں کعبۃ اللہ پہنچ کر مخصوص اعمال بجالانے کا نام ہے۔ عمرہ میں حج ہی کے بعض اعمال ایام حج کے علاوہ دوسرے دنوں میں انجام دیے جاتے ہیں۔

حج اور عمرہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حدیث میں اسے عورتوں کا جہاد کہا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ کیا ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہو سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

لَكِنَّ أَحْسَنَ الْجِهَادِ وَ تَمَّ لَوْغُونَ كَيْ لِي سَبَّ سَ اِچھا
اَجْمَلَهُ حَجَّ مَبْرُورًا اور خوب صورت جہاد حج مبرور ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: مجھے قرآن مجید میں جہاد سے زیادہ فضیلت والا کوئی دوسرا عمل نظر نہیں آتا۔ پھر ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد میں کیوں نہ شریک ہوں؟ آپ نے فرمایا:

لَا وَلَكِنَّ أَفْضَلَ الْجِهَادِ وَ نَهَيْتُمْ لَوْغُونَ كَيْ لِي سَبَّ سَ فضیلت
والا اور خوب صورت جہاد حج بیت اللہ یعنی حج مبرور ہے (جو خدا کے لیے کیا گیا ہو)۔

۱۔ بخاری، الادب المفرد: ۱/۳۷۷-۳، ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۱۱۔

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۲۵۲۔

۳۔ بخاری، کتاب الحج، باب حج النساء۔

۴۔ نسائی، کتاب مناسک الحج، باب فضل الحج۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جِهَادُ الْكَبِيرِ وَالصَّغِيرِ وَ
الضَّعِيفِ وَالْمَرْأَةُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ
بوڑھے، بچے، کمزور اور عورت کا جہاد
حج اور عمرہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپؐ کی ازواجِ مطہرات نے بھی حج کیا تھا۔ آپؐ کے بعد حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ نے حج نہیں کیا، البتہ سری ازواج حج کو جایا کرتی تھیں۔

حجۃ الوداع میں دس ہزار صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں فریضہ حج ادا یا تھا۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں صحابیات کی بھی بڑی تعداد تھی۔ جذبہ اور شوق کا یہ لم تھا کہ بیمار، حاملہ اور بچے والیاں بھی شریک تھیں۔

ضباعہ بنت زبیرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: میں نے حج کا ارادہ کیا ہے سن بیمار ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: حج کرو۔ احرام اس نیت سے باندھو کہ اللہ تعالیٰ جہاں لک دے گا وہیں احرام کھول دوگی۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ۱۰ھ میں حج کا اعلان فرمایا تو ہم سب لوگ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو وہاں اسماء بنت یسؓ کے صاحبزادے محمد بن ابوبکرؓ پیدا ہوئے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رُوحاء میں بچھ سواروں سے ملاقات کی۔ ان میں سے ایک عورت نے بچہ کو نکال کر دکھایا اور ال کیا کیا کہ کیا اس کا بھی حج ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! اس کا بھی حج ہوگا اور

نسائی، کتاب مناسک الحج، باب فضل الحج۔

ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۵۵/۸۔

بخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین۔ مسلم، کتاب الحج، باب جواز اشتراط المحرم لیل الحج۔

مسلم، کتاب الحج، باب صحۃ احرام الغفشاء۔ ابوداؤد، کتاب المناسک، باب صفة حجۃ النبی۔

تمہیں ثواب ملے گا۔

ایک انصاری خاتون ام سنان حجة الوداع میں شریک نہیں ہو سکی تھیں۔ حج۔ واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ انھوں نے عرض کیا۔ لوگوں کے پاس دو ہی اونٹنیاں تھیں۔ ایک پر میرے شوہر اور میرا لڑکا حج پر چلے گئے دوسرے سے زمین کی آب پاشی ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: اچھا تو تم رمضان میں آ کر لو۔ اللہ تعالیٰ حج کے برابر ثواب عطا فرمائے گا۔

ایک اور خاتون، جن کا نام ام معقل تھا، وہ بھی حج کو نہیں جاسکی تھیں۔ آرنے ان سے بھی رمضان میں عمرہ کرنے کے لیے کہا۔

اس طرح، جو خواتین ارادہ کے باوجود حج کو نہیں جاسکی تھیں ان کو آپ نے کی ترغیب دی۔ حج کے سلسلہ میں خواتین کو سہولت فراہم کرنے اور ان کی رکاوٹیں ا کرنے کی بھی ہدایت کی گئی ہے۔ خواتین بغیر محرم کے حج نہیں کر سکتیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: میری بیوا حج کو جانا چاہتی ہے اور میں نے جنگ میں شرکت کے لیے اپنا نام لکھوا دیا ہے۔ آرنے فرمایا: تم اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لیے جاؤ۔

خواتین اپنی طرف سے بھی حج کرتی تھیں اور وقت ضرورت دوسروں کی طرف سے بھی یہ فریضہ انجام دیتی تھیں۔

۱۔ مسلم، کتاب الحج، باب صحۃ حج الصبی۔ ابوداؤد، کتاب المناسک، باب فی الصبی حج۔
 ۲۔ بخاری، ابواب العمرۃ، باب عمرۃ فی رمضان۔ مسلم، کتاب الحج، باب فضل العمرۃ فی رمضان
 ۳۔ ابوداؤد، کتاب المناسک، باب العمرۃ۔ اس واقعہ کی تفصیلات میں خاصا اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو
 عون المعبود: ۲/۱۵۰، ۱۵۱۔ ہو سکتا ہے مذکورہ بالا دونوں روایات ایک ہی واقعہ سے متعلق ہوں
 زیادہ امکان اس کا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہوں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اما ان یک
 اختلاف فی کتیبها و اما ان تكون القصة تعددت وهو الاشبه۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۸/۴۷۹
 ۴۔ بخاری، ابواب العمرۃ، باب حج النساء۔ مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی الحج وغیرہ

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی، لیکن حج کرنے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا:

حُجِّي عَنْهُ أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ
عَلَى أُمِّكَ دَيْنٌ أَكُنْتَ قَاضِيَةً
أَقْضُوا لِلَّهِ فَإِنَّهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ^۱

اس کی طرف سے حج کرو۔ بتاؤ اگر
تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو تم ادا نہ کرتیں؟
اللہ کا قرض بھی ادا کرو۔ اللہ اس کا زیادہ
مستحق ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔

حضرت فضل بن عباسؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے رسول اللہ سے کہا: اللہ نے اپنے بندوں پر حج کو فرض قرار دیا ہے۔ یہ فرض میرے باپ پر بھی عائد ہوتا ہے۔ لیکن وہ بہت بوڑھے ہیں۔ سواری پر بیٹھ بھی نہیں سکتے۔ اگر میں ان کی طرف سے حج کروں تو کیا ان کا فرض ادا ہو جائے گا: آپ نے فرمایا: ہاں ادا ہو جائے گا۔
دین میں نقشہ اور سختی ناپسندیدہ ہے۔ ایک خاتون نے حج کے سلسلہ میں یہی رویہ اختیار کیا تو آپ نے منع فرمایا۔

عقبہ بن عامر جہنیؓ کہتے ہیں کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل بیت اللہ کی زیارت کریں گی۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں اس بارے میں آپ سے دریافت کروں۔ میں نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اس کی ضرورت نہیں۔ وہ پیدل بھی چلے اور سواری بھی استعمال کرے۔ (ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس نذر کا کفارہ ادا کرنے کے لیے کہا)۔^۲

سفر حج کو احادیث میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں سفر سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاجی کی دعا قبول فرماتا ہے۔ اس لیے اس سے دعا کرانے کی

۱ بخاری، ابواب العمرة، باب الحج والنذر عن الميت۔

۲ بخاری، ابواب العمرة، باب حج المرأة عن الرجل۔ مسلم، کتاب الحج، باب عن العاجز الخ۔

۳ بخاری، ابواب العمرة، باب من نذر المشي الى الكعبة۔

ترغیب دی گئی ہے۔ ایک موقع پر حضرت ام درداءؓ نے حضرت صفوان سے پوچھا کہ کہ آپ کا ارادہ حج کو جانے کا ہے۔ انھوں نے کہا: ہاں! حضرت ام درداءؓ نے ان سے درخواست کی کہ ہمارے لیے بھی دعائے خیر فرمائیے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے اس کے پیچھے، جو دعا کرتا ہے وہ قبول کی جاتی ہے۔ اس کے سرہانے ایک فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی اس خیر سے نوازے۔ حضرت صفوان کہتے ہیں کہ میں وہاں سے نکلا تو بازار میں حضرت ابو درداءؓ سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح کی روایت بیان فرمائی!

یہ ان خواتین کی عبادت کی کیفیت تھی۔ اب ان کے علم و فضل کا حال دیکھیے۔



۱۔ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الدعاء للمسلمین بظہر الغیب۔ ابن ماجہ، کتاب المناسک۔ باب فضل دعاء الحاج۔

مسلمان عورت (علم و فضل کے میدان میں)

اسلام نے علم دین کی بڑی فضیلت بیان کی، اس کے سیکھنے اور سکھانے کی ہتائی ترغیب دی اور اس کی ہر طرح ہمت افزائی فرمائی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد م دین کا ہر سو چرچا ہونے لگا اور بڑی بڑی علمی شخصیتیں ابھریں۔ ان میں مرد بھی تھے ر عورتیں بھی تھیں۔ یہاں دور اول کی بعض نمایاں خواتین کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

حضرت عائشہؓ

صحابیات میں حضرت عائشہؓ کا علمی مقام سب سے اونچا تھا۔ صحابہ کرامؓ میں بھی دو دوے چند ہی کو یہ مقام حاصل رہا ہے۔ ان کے علم و فضل اور بصیرت کا اس دور کے ماطین علم نے اعتراف کیا ہے۔ ان کے شاگرد خاص اور بھانجے عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں:

لَقَدْ صَحِبْتُ عَائِشَةَ فَمَا
رَأَيْتُ أَحَدًا قَطُّ كَانَ أَعْلَمَ بِأَيَّةِ
أَنْزَلَتْ وَلَا بِفَرِيضَةٍ وَلَا بِسُنَّةِ
وَلَا بِشِعْرِ وَلَا أَرْوَى لَهُ مِنْ أَيَّامِ
الْعَرَبِ وَلَا بِنَسَبٍ وَلَا بِكُذَا وَ
بِكُذَا وَلَا بِقَضَاءٍ وَلَا لَطِبَ مِنْهَا
میں نے ان سے زیادہ آیات کی شان نزول،
فرائض، سنت، شعر و ادب، عرب کی
تاریخ اور قبائل کے انساب وغیرہ اور
مقدمات کے فیصلوں، حتیٰ کہ طب کا
جاننے والا کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔

فرماتے ہیں: میں نے کہا: خالہ جان! آپ نے طب کیسے سیکھی؟ فرمایا: جب کبھی میں یا کوئی دوسرا شخص بیمار ہوتا تو اس کا علاج بتایا جاتا۔ اسی طرح لوگ ایک دوسرے کو علاج بتاتے اور میں اسے یاد رکھتی۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں:

اگر سب لوگوں کا علم جمع کیا جائے اور
پھر رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے علم
کا بھی اس میں اضافہ کیا جائے تو حضرت
عائشہؓ کا علم زیادہ وسیع ہوگا۔

لَوْ جُمِعَ عِلْمُ النَّاسِ كُلِّهِمْ
ثُمَّ عِلْمُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ
لَكَانَتْ عَائِشَةُ أَوْسَعَهُمْ عِلْمًا.
عطاء بن ابی رباحؒ کہتے ہیں:

حضرت عائشہؓ لوگوں میں سب سے
بڑی فقیہ، سب سے زیادہ علم رکھنے والی اور
عوام میں سب سے اچھی رائے رکھنے والی
تھیں۔

كَانَتْ عَائِشَةُ أَفْقَهُ النَّاسِ وَ
أَعْلَمَ النَّاسِ وَ أَحْسَنَ النَّاسِ رَأْيًا
فِي الْعَامَّةِ.

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کی امت میں، بلکہ مطلقاً
سب ہی عورتوں میں ان سے زیادہ علم والی
کسی عورت سے میں واقف نہیں ہوں۔

لَا أَعْلَمُ فِي أُمَّةٍ مُحَمَّدًا ﷺ
بَلْ وَلَا فِي النِّسَاءِ مطلقاً امراً
أَعْلَمَ مِنْهَا.

جن صحابہؓ نے سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث روایت کی ہیں ان
میں حضرت عائشہؓ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ یہ احادیث انھوں نے براہِ راست رسول اللہ ﷺ
سے روایت کی ہیں۔ بعض احادیث حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت سعا
بن ابی وقاصؓ، حمزہ بن عمرو الاسلمیؓ اور جذامہ بنت وہبؓ سے سن کر بھی روایت کی ہیں۔
ان کی مرویات کی کل تعداد دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) ہے۔ ان میں سے ایک

۱۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابہ۔ حدیث نمبر ۶۷۳۴/۲۳۳۲

۲۔ ذہبی، تلخیص المستدرک: ۳/۱۳۔

۳۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء ۱/۱۰۱۔

ہتر (۱۷۴) احادیث متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہیں۔ ان کے وہ چوٹن (۵۴) احادیث امام بخاری نے اور اہتر (۶۹) امام مسلم نے الگ الگ روایت کی ہیں۔ باقی احادیث حدیث کی دوسری کتابوں میں آئی ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے بھی بہت سی حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے راست اور بعض حدیثیں حضرت ابو سلمہؓ اور حضرت فاطمہؓ سے بالواسطہ روایت کی ہیں۔ پینتیس (۳۵) سے زیادہ صحابہ و تابعین نے (جن میں مرد اور عورتیں دونوں ہی شامل) ان سے احادیث نقل کی ہیں۔

ان کی مرویات کی تعداد تین سو اہتر (۳۷۸) ہے۔ ان میں تیرہ (۱۳) آیات بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں۔ ان کے علاوہ تین بخاری میں اور تیرہ مسلم میں آ جاتی ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ کا فقہ میں بھی خاص مقام تھا۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

كَانَتْ تُعَدُّ مِنْ فُقَهَاءِ
صَحَابَةٍ فِي جَوْفِهَا تَحْتَهُ انْ فِي انْ
كَاشَارٌ هُوَ تَحْتَهُ۔

حضرت حفصہؓ

ام المومنین حضرت حفصہؓ، حضرت عمرؓ کی صاحب زادی تھیں۔ انھوں نے سول اللہ ﷺ اور حضرت عمرؓ سے روایت حدیث کی ہے۔ ان سے حدیث کی روایت کرنے والوں میں ان کے بھائی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، ان کے لڑکے حمزہ اور ان کی بیوی صفیہ،

ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۱۰۱/۲۔

ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۴۰۵/۱۲۔

ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۱۳۳/۲۔

حوالہ سابق، ۱۳۳/۲۔

امّ بشر الانصاریہ، مطلب بن ودامہ، حارثہ بن وہب وغیرہ بارہ سے زیادہ افراد شامل ہیں حضرت حفصہؓ نے ساٹھ (۶۰) حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان میں سے چھ حدیثیں بخاری و مسلم دونوں میں اور چھ حدیثیں صرف مسلم میں آئی ہیں۔

حضرت امّ حبیبہؓ

امّ المؤمنین امّ حبیبہؓ حضرت ابوسفیانؓ کی صاحب زادی تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پینسٹھ (۶۵) حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان میں سے دو بخاری اور مسد دونوں میں موجود ہیں۔ ایک مسلم میں آئی ہے۔ ان سے ان کی لڑکی حبیبہؓ ان کے بھائی حضرت معاویہؓ ان کے بھتیجے عبد اللہ بن عقبہ، عروہ بن زبیر، صفیہ بنت شیبہ اور زینب بنت ابوسلمہؓ وغیرہ نے حدیث روایت کی ہے۔

حضرت میمونہ بنت الحارثؓ

امّ المؤمنین میمونہ بنت الحارثؓ اپنے شوہر ابو رہم کے انتقال کے بعد سن ۷ میں رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آئیں۔ ان کے متعلق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ”وہ میں سب سے زیادہ خدا ترس اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔“ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے چھیالیس (۴۶) حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن شداد، عبد الرحمن بن السائب، یزید بن الاصم (یہ سب ان کے بھانجے ہوتے تھے) ان کے پروردہ عبد اللہ خولانی، ان کی باندی ندیہ، ان کے آزر کردہ غلام عطاء بن یسار اور سلیمان بن یسار اور عالیہ بنت سلمیح وغیرہ ہیں۔

۱۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲/۳۶۱۔ ۲ ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۶۳۔

۳ ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۵۵۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲/۳۶۹۔

۴ ابن حجر الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۸/۳۲۲-۳۲۳۔ تہذیب التہذیب: ۱۲/۳۰۲۔ صفی الدین الخزرخی:

خلاصۃ تہذیب التہذیب الکمال: ۳/۳۹۲۔

حضرت لبابہ بنت الحارثؓ

یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کی زوجہ تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت مدیحہؓ کے بعد (غالباً خواتین میں) سب سے پہلے اسلام لے آئیں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں: 'كانت من المنجبات' یعنی یہ ان خواتین میں سے تھیں جن کی اولاد نیک اور زریف تھی۔ ان کی اولاد میں فضل بن عباسؓ، مشہور فقیہ عبد اللہ بن عباسؓ، معبد، نخعم، عبدالرحمن اور ام حبیبہؓ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے ناموری اور عزت و شہرت حاصل کی۔ حضرت لبابہؓ دو شنبہ اور پنج شنبہ کے روزوں کا اہتمام کرتی تھیں۔ اس سے ان کی بکی اور تقویٰ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے تیس (۳۰) عادیث روایت کی ہیں۔

حضرت ام ہانی بنت ابی طالبؓ

ام ہانی رسول اللہ ﷺ کی چچا زاد اور حضرت علیؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان سے صحاح ستہ اور دوسری کتب حدیث میں چھیالیس (۴۶) حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹوں اور پوتوں کے علاوہ دوسرے اصحاب بھی ہیں۔

حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ

حضرت اسماءؓ، حضرت ابوبکرؓ کی صاحب زادی اور حضرت زبیرؓ کی بیوی تھیں۔ زیم الاسلام ہیں۔ ان سے پہلے صرف سترہ (۱۷) افراد دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے

ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۳۶۱۔ صفی الدین الخزر جی، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال: ۳۹۲/۱

ابن حجر، الاصابہ: ۴/۴۸۵، ۴۸۶۔ صفی الدین الخزر جی، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال: ۴۰۳، ۴۰۴/۱

تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان سے جزو صحابہ و تابعین نے یہ حدیثیں دوسروں تک پہنچائی ہیں، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: ان کے لڑکے عبد اللہ بن زبیرؓ، ان کے پوتے، عبد اللہ بن عباد بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، صفیہ بنت شیبہ، فاطمہ بنت منذر، ان کے آزاد کردہ غلام عبد اللہ بن کیسان، ان کے پوتے عباد بن حمزہ وغیرہ!ؕ

ان کی مرویات کی تعداد اٹھاون (۵۸) ہے۔ ان میں سے تیرہ (۱۳) بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ صرف بخاری میں پانچ اور مسلم میں چار حدیثیں ہیں۔
حضرت خولہ بنت حکیمؓ

خولہ بنت حکیمؓ کے بارے میں علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں:

كَانَتْ امْرَأَةً صَالِحَةً فَاضِلَةً ۱؎ وہ ایک نیک اور فاضل خاتون تھیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ ان سے ایک حدیث روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رَزَعَمَتِ الْمَرْأَةَ الصَّالِحَةَ ۲؎ خولہ بنت حکیم نے، جو ایک صالح

خاتون تھیں، بیان کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نیکی اور ان کا علم و فضل تسلیم شدہ تھا۔ ان سے

پندرہ (۱۵) احادیث روایت کی گئی ہیں ۳؎

حضرت نسیمہ بنت کعب (ام عطیہؓ)

مشہور صحابیہ ہیں۔ ان کا تعلق انصار سے تھا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے

۱ ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۰۸۔

۲ حوالہ سابق ۲/۲۱۳۔

۳ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۳/۲۹۰۔

۴ ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی حب الولد۔

۵ صفی الدین الخزرجی، خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال: ۳/۳۸۰۔

ایس (۴۰) حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان سے روایتِ حدیث کرنے والوں میں حضرت
س بن مالکؓ، محمد بن سیرین، حفصہ بنت سیرین اور ام شراحیل اور بعض دیگر ہیں۔
حضرت فریجہ بنت مالکؓ

حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک صحابیہ کی روایت کی بنیاد پر ایک
رعی مسئلہ کا فیصلہ فرمایا۔

زینب بنت کعب بن عجرہ کہتی ہیں کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی بہن فریجہ
ت مالکؓ نے ان سے بیان کیا کہ میرے شوہر کے انتقال کے بعد، میں رسول اللہ ﷺ
ما خدمت میں گئی اور عرض کیا کہ مجھے اپنے خاندان والوں میں عدت گزارنے کی
بازت دی جائے، اس لیے کہ شوہر کا کوئی مکان نہیں تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس
کے باوجود حکم دیا کہ جہاں تمہیں اپنے شوہر کی وفات کی خبر ملی ہے وہیں عدت گزارو۔
حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں یہی مسئلہ ان کے سامنے آیا تو لوگوں نے ان سے
رے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ انھوں نے مجھے بلوایا۔ میں پہنچی تو وہ کچھ لوگوں کے درمیان
ٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے مجھ سے واقعہ معلوم کیا۔ جب میں نے بتایا تو انھوں نے
س عورت کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا اسے کہلویا کہ وہ اسی جگہ عدت پوری کرے
ماں اسے اپنے شوہر کے انتقال کی خبر ملی ہے۔

نص دیگر صحابیات

کسی دور کی علمی و فکری حالت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنے کے لیے معروف
نصیحتوں کے ساتھ غیر معروف شخصیتوں کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ اسی سے اس دور کا صحیح
شہ سامنے آسکتا ہے۔ اس سلسلہ کے دو ایک واقعات ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں:
حضرت ام ورقہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے قرآن جمع کیا تھا۔ ایک

ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲/۲۰۴۔ خزرجی، خلاصۃ تہذیب التہذیب: ۳/۳۹۴۔
ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی التوفی عنہا متنقل۔ تفصیل کے لیے دیکھی جائے ابن سعد، الطبقات:

اور روایت میں آتا ہے کہ وہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کریں۔ ان کے لیے ایک موزن بھی مقرر فرما دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے کہا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ اس نے سوال کیا: آخر وہ کیوں نہیں جائے گی؟ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ وہ قرآن پڑھی ہوئی تھی (اس لیے) آپ نے اس سے کہا:

أَمَا تَقْرَيْنِ الْقُرْآنَ إِنَّا
 أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ
 أَبْكَارًا ۗ

کیا تم قرآن نہیں پڑھتی ہو۔ اللہ نے
 فرمایا ہے ہم نے ان عورتوں کو پھر سے پیدا
 کیا ہے اور انہیں باکرہ بنا دیا ہے۔

مطلب یہ کہ بوڑھی عورتیں بھی جوان ہو کر جنت میں جائیں گی۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو راتھ (بنت حیان) نامی باندی عطا کی تھی روایات میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اسے قرآن مجید کی تھوڑی سی تعلیم دی تھی۔

قرآن و حدیث دین کی اساس ہیں۔ ان ہی دو ذرائع سے اصلاً دین کی تفصیلات ملتی ہیں اور راہ نمائی حاصل ہوتی ہے۔ دین کی اساس کو مستحکم کرنے اور اس کی تعلیمات کو عام کرنے میں صحابیات کے کردار کی کسی قدر تفصیل کے بعد عہد تابعین کے بعض ان خواتین کا ذکر کیا جا رہا ہے، جو علم و فضل میں اپنا ایک مقام رکھتی تھیں۔

ام الدرداء البجیمہ ۲

عثمان بن ابو العاتکہ اور ام جابر بیان کرتے ہیں کہ ام درداء کی پرورش ابودرداء نے کی تھی۔ وہ چھوٹی سی تھیں کہ برنس (لباسا کرتا جس سے سر بھی ڈھک جاتا ہے

۱ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۳۵۷۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۵۱۹، ابن حجر، الاصابہ: ۸/۳۸۹، ۳۹۰ ۲ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الادب، باب المزاج بحوالہ رزین۔

۳ ابن اثیر، اسد الغابہ: ۷/۱۰۶۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۸/۱۳۰۔

۴ حضرت ابودرداء کی دو بیویاں تھیں، دونوں کی کنیت ام الدرداء تھی۔ ان میں جو بڑی تھیں وہ صحابیہ تھیں اور چھوٹی تابعیہ۔ بڑی کا نام حیرہ اور چھوٹی کا بجیمہ تھا۔ نووی، تہذیب الاسماء واللغات: ۲/۳۵۹، ۳۶۰۔

ہنے ہوئے حضرت ابودرداء کے ساتھ آیا جایا کرتی تھیں۔ مردوں کی صفوں میں نماز
 ہنے کھڑی ہو جاتیں۔ قاریوں کے حلقوں میں بیٹھ جاتیں۔ جب بڑی ہو گئیں تو
 حضرت ابودرداء نے کہا کہ تم عورتوں کی صفوں میں شامل ہو جاؤ۔

ان کے علمی شغف کا اندازہ عوف بن عبد اللہ کے ایک بیان سے ہوتا ہے۔
 ماتے ہیں: ہم لوگ حضرت ام درداء کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب زیادہ وقت گزر
 لیا تو ہم نے کہا کہ آپ کو ہم نے بہت پریشان کیا۔ آپ اکتاہٹ محسوس کر رہی ہوں گی؟
 یوں نے جواب دیا: میرا مقصد ہر کام میں اللہ کی عبادت رہا ہے۔ علماء کی صحبت میں
 لہنے اور ان سے بحث و مذاکرہ سے جتنا سکون اور اطمینان محسوس ہوتا ہے کسی بھی کام
 میں نہیں محسوس ہوتا۔ پھر وہ پردے میں چلی گئیں اور ایک شخص سے قرآن کی تلاوت
 کے لیے کہا: اس نے وَلَقَدْ وَصَلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ الْخ آیات پڑھیں۔

فرمایا: سب سے فضیلت والا علم تو اللہ کی پہچان ہے۔

عبدالربہ ان سے پڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں: ایک دن سختی پر یہ لکھا: تَعَلَّمُوا
 حِكْمَةَ صِغَارًا تَعَلَّمُونَهَا كِبَارًا (بچپن میں حکمت و دانائی سیکھو۔ بڑے ہو کر دوسروں کو
 لکھاؤ گے) اِنَّ كُلَّ زَارِعٍ حَاصِدٌ مَا زَرَعَ مِنْ خَيْرٍ اَوْ شَرٍّ (ہر کسان جو بھی اس نے
 پھایا برا بویا ہے ضرور اسے کاٹے گا)۔

انھوں نے حضرت ابو درداءؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت فضالہ بن عبیدہؓ،
 حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت کعب بن عاصمؓ اور حضرت عائشہؓ سے حدیث کی روایت کی ہے۔
 افظ ابن حجرؒ نے ان سے حدیث سننے اور روایت کرنے والے انیس (۱۹) بزرگوں کے
 ر کے بعد لکھا ہے کہ ان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی ان سے روایت حدیث کی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲/۳۱۳۔

نووی، تہذیب الاسماء واللغات: ۲/۳۶۰، ۳۶۱۔

ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۲/۳۱۳۔

رَوَى عَنْهَا خَلَاتِقٌ مِنْ كِبَارِ
التَّابِعِينَ^۱ ان سے اکابر تابعین کی بڑی تعداد
نے روایت کی ہے۔

امام ذہبی نے ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

كَانَتْ فَقِيهَةً عَالِمَةً عَابِدَةً
مَلِيحَةً جَمِيلَةً وَاسِعَةَ الْعِلْمِ
وَأَفْرَةَ الْعَقْلِ^۲ وہ فقیہہ، عالمہ، عابدہ، حسین و جمیل،
وسیع علم اور بڑی عقل والی تھیں۔

عمرہ بنت عبد الرحمن

یہ حضرت عائشہ کی گود میں پلی ہوئی اور ان کی خاص تلامذہ میں تھیں۔ سن ۹۸ء میں وفات پائی۔ انھوں نے حضرت عائشہ کے علاوہ ام ہشام بنت حارثہ، حبیبہ بنت سہل اور حضرت ام حبیبہ، حمنہ بنت جحش سے بھی روایت حدیث کی ہے۔ ان سے اپنے وقت کے اکابر نے احادیث روایت کی ہیں، جن میں امام زہری، عبد اللہ بن ابوبکر بن حزم، یحییٰ بن سعید انصاری، عروہ بن زبیر، سلیمان بن یسار اور عمرو بن دینار جیسے ائمہ شامل ہیں۔ ان کو فقیہ اور دو تابعین کی خواتین کی سردار کہا گیا ہے^۳۔

ان کی علمی عظمت کا اندازہ ان راویوں سے ہوتا ہے جو اکابر محدثین نے ان کے بارے میں ظاہر کی ہیں۔ ابن معین کہتے ہیں: ثقہ^۴ ججہ^۵ یعنی وہ قابل اعتماد اور ججہ ہیں۔ احمد بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے ابن معین کو بہت ہی شان دار الفاظ میں ان کا ذکر کرتے سنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت عائشہ سے روایت کرنے والے ثقہ اور قابل اعتماد لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ابن حبان اور عجل نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی روایات کا سب سے زیادہ علم ان ہی کو تھا

۱ نووی، تہذیب الاسماء واللغات: ۲/۳۶۰۔

۲ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ۱/۵۰۔

۳ صفی الدین خزرجی، خلاصۃ تہذیب الکمال: ۳/۳۸۸۔

۴ یہ فن حدیث کی ایک اصطلاح ہے۔ اس طرح کی اصطلاحات کا پورا مفہوم ترجمہ سے ا نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے والوں میں عمرہ بنت عبد الرحمنؓ، قاسم بن محمد اور عروہ بن زبیر سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ عبد الرحمن بن قاسم کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کی روایات ان سے دریافت کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے محمد بن عبد الرحمن کو لکھا کہ حضرت عائشہؓ کی روایات کا ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے۔^۱

ابن سعد کہتے ہیں: وہ عالمہ تھیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ابوبکر بن محمد بن حزم کو ان کی احادیث لکھنے کا حکم دیا تھا۔^۲

نقصہ بنت سیرین

بارہ برس کی عمر میں قرآن کی تعلیم سے فارغ ہو گئیں۔ یحییٰ بن سیرین، انس بن مالکؓ، ام عطیہ انصاریہ، ام الراسخ، ابو العالیہ، ابو ذبیان، ربیع بن زیاد اور حضرت حسن بصری کی والدہ حیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ان سے محمد بن سیرین، قتادہ، ماسم الاحول، ایوب سختیانی، خالد الحذاء، ابن عون، ہشام بن حیان جیسے بزرگوں نے روایت حدیث کی ہے۔

امام ابن معینؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: 'ثقة حجة' (قابل اعتماد اور بخت ہیں)۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

ایاس بن معاویہ کہتے ہیں:

مَا أَدْرَكْتُ أَحَدًا أَفْضَلَهُ عَلَيَّ
حَفْصَةَ
میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا
جسے حفصہ بنت سیرین سے برتر کہوں۔

۱۰۱ھ میں وفات پائی۔^۳

۱۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۳۸۹/۱۲۔

۲۔ ابن سعد، الطبقات: ۳۸۰/۸۔

۳۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۳۶۱، ۳۶۰/۱۲۔

عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص

عائشہ بنت سعد نے امہات المؤمنین میں سے چھ کو دیکھا تھا۔ فرماتی ہیں بچپن میں جب میں ان میں سے کسی کے پاس جاتی تو وہ گود میں بٹھا لیتیں اور برکت کی دعائیں دیتیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں ان سے عقیدت پائی جاتی تھی۔ حبیب بن مرزوق کہتے ہیں کہ میں نے مسجد کے باہر ایک خاتون کو دیکھا۔ ان کے ساتھ کچھ خواتین تھیں اور شمع جل رہی تھی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی صاحب زادی عائشہؓ ہیں۔

انھوں نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور امّ ذر سے روایت حدیث کی ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں جعید بن عبد الرحمن، ایوب سختیانی، حکم بن عتیہ، خزیمہ، ابو الزناد، مہاجر بن مسمار، عبیدہ بنت نابل اور امام مالک جیسی شخصیتیں داخل ہیں۔ خلیل کہتے ہیں: امام مالکؒ نے ان کے علاوہ کسی اور خاتون سے روایت نہیں کی ہے۔ ابن حبان نے 'ثقات' میں ان کا ذکر کیا ہے۔ عجلی نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ۱۱ھ میں وفات پائی۔

عائشہ بنت طلحہ

عائشہ بنت طلحہ کی والدہ حضرت ابوبکرؓ کی صاحب زادی امّ کلثوم تھیں۔ انھوں نے حضرت عائشہؓ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ان سے ان کے لڑکے طلحہ بن عبد اللہ، حبیب بن عمرو، ان کے بھتیجے طلحہ بن یحییٰ، ایک اور بھتیجے معاویہ بن اسحاق، موسیٰ بن عبید اللہ، فضیل بن عمرو، منہال بن عمرو، عطاء بن ابی رباح اور عمرو بن سعید نے روایت کی ہے۔ ابن معین ان کے بارے میں کہتے ہیں 'ثقة حجة' (قابل اعتماد اور حجت ہیں)۔ عجل

۱۔ ابن سعد، الطبقات: ۸/۳۶۷، ۳۶۸۔

۲۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲/۳۸۷، ۳۸۸۔

راہنِ حبان نے بھی انہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ ابو زرعہ دمشقی جیسے محدث کہتے ہیں:

حَدَّثَتْ عَنْهَا النَّاسُ لِفَضْلِهَا وَ

وِاخْلَاقِهَا وَجَدَّ مِنْهَا سَعِيدٌ بَصْرِيٌّ

روایت کی ہے۔

أَدْبَهُلًا

حیرہ ام الحسن

حیرہ ام الحسن بصری حضرت ام سلمہؓ کی باندی تھیں۔ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ان سے ان کے دو لڑکے حسن بصری، سعید بصری کے علاوہ علی بن زید بن جدعان، معاویہ بن قرہ مزنی اور حفصہ بنت سیرین نے بھی روایت کی ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔
اب ہم دورِ تابعین کے بعد کی بعض خواتین کا ذکر کریں گے۔

سیدہ نفیسہ

اہل بیت سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ نفیسہ بنت حسن بن زید بن حسن بن ابی طالب۔ اپنے شوہر اسحاق بن جعفر الصادق کے ساتھ مصر پہنچیں۔ ایک خیال ہے کہ وہ اپنے والد حسن کے ہم راہ پہنچی تھیں۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ نفیسہ بہت نیک اور خدا ترس خاتون تھیں۔ علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ روایت ہے کہ امام شافعیؒ مصر پہنچے تو ان کی خدمت میں گئے اور حدیث سنی۔ امام موصوف کا انتقال ہوا تو جنازہ ان کے گھر پہنچایا گیا اور انھوں نے گھر ہی کے اندر سے نماز جنازہ پڑھی۔ ابن خلکان فرماتے ہیں: مصریوں کو ان کے ساتھ بڑا اعتقاد رہا ہے۔ ۲۰۸ھ میں وفات پائی۔

بنت سعید بن المسیب

حضرت سعید بن المسیبؒ کو سید التابعین کہا جاتا ہے۔ ان کے ایک شاگرد

۱ تہذیب التہذیب: ۱۲/۴۳۶، ۴۳۷۔

۲ تہذیب التہذیب: ۱۲/۴۱۶۔

۳ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۵/۵۶، ۵۷۔

ابوداؤد بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن مسیبؓ کے درس میں شریک ہوتا تھا ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ چند دن تک انھوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ جب میں دوبارہ پہنچا تو پوچھا: کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا: بیوی کا انتقال ہو گیا تھا، اس وجہ سے حاضر نہیں ہو سکا۔ فرمایا: تم نے ہمیں اطلاع نہیں دی، ورنہ ہم بھی جنازہ میں شریک ہوتے۔ جب میں اٹھنے لگا تو فرمایا: کیا دوسری شادی نہیں کی؟ میں نے عرض کیا: اللہ کی رحمتیں ہوں آپ پر۔ اس غریب کو کون اپنی لڑکی دے گا؟ میرے پاس تو دو تین درہم سے زیا، کچھ نہیں ہے، فرمایا: میں تمہارا نکاح کر دوں؟ بتاؤ کیا تیار ہو؟ میں نے ہاں کہہ دیا حضرت نے حمد و صلوة کے بعد اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دیا اور دو تین درہم مہر مقرر فرمایا۔ جب میں مجلس سے اٹھا تو خوشی کے مارے میرا عجیب حال تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں، کیا نہ کروں؟ گھر پہنچ کر کسی سے قرض لینے کی سوچ رہا تھا۔ مغرب کی نماز پڑھی۔ اس دن میں روزہ سے تھا۔ کھانے کے لیے بیٹھا ہی تھا اور کھانا بھی بے روٹی اور تیل تھا کہ کسی کے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ میں نے نام پوچھا، جواب ملا سعید! میں ایک لمحہ کے لیے سوچنے لگا: کون سعید ہو سکتے ہیں؟ ہر وہ شخص میرے ذہن میں آیا جس کا نام سعید تھا اور جس سے میں واقف تھا، لیکن حضرت سعید بن مسیبؓ کی طرف میرا ذہن منتقل نہیں ہوا۔ اس لیے کہ چالیس برس سے گھر اور مسجد ہی کے درمیان ان کی آمد و رفت تھی۔ کہیں آتے جاتے نہیں تھے۔ جب باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت سعید بن مسیبؓ کھڑے ہیں۔ دیکھتے ہی پہلا خیال یہ ہوا کہ شاید حضرت کی رائے بدل گئی ہو۔ عرض کیا: ابو محمد! آپ نے کیوں زحمت فرمائی؟ اگر اطلاع بھجوا دیتے تو میں خود حاضر ہو جاتا۔ فرمایا: نہیں! اس وقت تم اس کے زیادہ مستحق ہو کہ تمہارے پاس میرے آؤں۔ میں نے تشریف آوری کی وجہ پوچھی تو فرمایا: تم جوان آدمی ہو۔ تمہاری شادا ہو چکی ہے۔ اچھا نہیں لگا کہ تم بغیر بیوی کے یہاں رہو۔ یہ تمہاری بیوی ہے۔ اسے! جاؤ۔ میں نے دیکھا کہ وہ ان کے پیچھے کھڑی ہے۔ پھر اسے انھوں نے گھر کے اندر

در دروازہ بند کر کے تشریف لے گئے۔ لڑکی شرم سے گر پڑی۔ اب میں نے چھت پر بڑھ کر پاس پڑوس والوں کو آواز دی۔ سب نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا: سعید بن مسیب نے اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دیا ہے اور اسے اچانک پہنچا کر چلے بھی گئے ہیں۔ دیکھو یہ میرے گھر موجود ہے۔ چنانچہ لوگ آئے، میری ماں کو خبر پہنچی تو وہ بھی آئی اور قسم دے کر کہا کہ تین دن تک میں اسے سنواروں گی، پھر اس کے ہاتھ لگانا۔ تین دن کے بعد جب میں نے اسے دیکھا تو وہ سب سے خوب صورت، قرآن کی بہت بڑی حافظہ، رسول اللہ ﷺ کی سنت کی سب سے زیادہ واقف اور شوہر کے حقوق کی پہچاننے والی نکلی۔ ایک مہینہ تک نہ تو سعید بن مسیب میرے ہاں تشریف آئے اور نہ میں ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوسکا۔ ایک مہینہ کے بعد حلقہ درس میں پہنچا، سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا اور مزید کوئی بات نہیں کی۔ جب سب لوگ چلے گئے اور میرے سوا کوئی باقی نہ رہا تو کہا، لڑکی کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا: ایسی کہ دست پسند کریں اور دشمنوں کو ناپسند ہو۔ فرمایا اگر تمہیں کوئی بات کھٹکے تو تم اس کی تادیب بھی کر سکتے ہو۔ حضرت سعید بن مسیب کی یہ لڑکی وہ تھی کہ اس کے لیے خلیفہ وقت عبد الملک بن مروان نے اپنے لڑکے ولید کے لیے اس وقت پیغام بھیجا تھا جب اس نے اسے ولی عہد مقرر کیا تھا، لیکن حضرت سعید بن مسیب نے پیغام رد کر دیا۔ عبد الملک مختلف تدبیریں کرتا رہا۔ بالآخر سردی میں انھیں پٹوایا اور ٹھنڈا پانی ان پر ڈلوایا، لیکن اس پر بھی وہ آمادہ نہیں ہوئے!

اسی واقعہ کے ذیل میں یہ بھی آتا ہے کہ شادی کے بعد دوسرے دن ابووداعہ نب حلقہ درس میں شرکت کی تیاری کرنے لگے تو صاحب زادی نے کہا: 'اجلسْ عَلِمُكَ عَلِمَ سَعِيدٍ' (تشریف رکھیے، سعید بن مسیب، جو تعلیم دیتے ہیں وہ میں یہیں سے دوں)!

اس واقعہ میں عبرت کے بہت سے پہلو ہیں۔ لیکن دو پہلو بہت نمایاں ہیں ایک تو اس سے حضرت سعید بن مسیب کے کردار پر روشنی پڑتی ہے کہ انھوں نے اپڑ لڑکی کے لیے ایک شہنشاہ کے لڑکے کے مقابلہ میں ایک طالب علم کو ترجیح دی۔ دوسری بات یہ کہ ایک لڑکی سعید بن مسیب جیسے امام وقت کی علم میں نیابت بھی کر سکتی ہے۔

الموید زینب بنت ابوالقاسم

۵۲۲ھ میں نیشاپور میں پیدا ہوئیں اور ۶۱۵ھ میں نیشاپور ہی میں وفات پائی۔ ابن خلکان ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

عالمہ تھیں، اکابر علماء کی ایک جماعت کی صحبت اٹھائی، ان سے حدیث پڑھی اور دوسروں کو حدیث کا درس اور سند دینے کی اجازت حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میر ابوالقاسم نیشاپوری، ابوالقاسم زاہر، ابوبکر وجیہ، ابوالمظفر، ابو الفتوح عبد الوہاب وغیرہ داخل ہیں۔ ان کو روایت حدیث کی اجازت حافظ ابوالحسن عبدالغافر الفارسی اور علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزختری صاحب کشف جیسے اساتذہ سے حاصل تھی۔ فرماتے ہیں کہ ہمیں بھی ان کے سلسلے سے اجازت حدیث حاصل ہے۔

شہدہ بنت ابی نصر

عالمہ بھی تھیں اور اچھی کاتبہ بھی۔ ابن خلکان کہتے ہیں:

سَمِعَ عَلَيْهَا خَلْقٌ كَثِيرٌ بڑی تعداد نے ان سے حدیث پڑھی ہے۔ فرماتے ہیں: ان کو سماع عالی حاصل تھا۔ مطلب یہ کہ ان کو اس طرح کی سند حاصل تھی جس میں رسول اللہ ﷺ سے حدیث روایت کرنے میں راویوں کا سلسلہ کم ہو جاتا ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ بہت بڑا امتیاز ہے۔ انھوں نے اپنے وقت کے بڑے بڑے اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا تھا۔ ابن خلکان مزید لکھتے ہیں:

وَ اَشْتَهَرَ ذِكْرُهَا وَ بَعْدَ صَيْتِهَا ان کا بڑا چرچا ہوا اور دور تک ان کی شہرت پھیلی

۵۷۷ھ میں وفات پائی۔

اب ہم عوام کی سطح کا ایک واقعہ پیش کرتے ہیں۔ خلیفہ منصور کی لڑکی اور رون الرشید کی بیوی ام جعفر کے حالات میں آتا ہے کہ اس کے محل میں سو باندیاں تھیں، جو سب کی سب حافظ قرآن تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے ضروری تھا کہ وزانہ تین پارے پڑھے۔ اس کے محل سے قرآن کی تلاوت کی آواز اس طرح آتی تھی جیسے شہد کے چھتہ سے مکھیوں کی آواز آتی ہے۔

جس دور کی باندیاں حافظ قرآن ہوں، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس دور کی دوسری خواتین علم و فضل کے کس مقام پر فائز رہی ہوں گی۔



ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۱۷۲/۲۔

ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۷۰/۲۔

مسلمان عورت

(دینی، سماجی اور سیاسی خدمات)

دورِ اول کی خواتین معاشرے سے منقطع یا بے تعلق نہیں تھیں۔ وہ اس کے ناکل سے دلچسپی لیتی رہی ہیں۔ انھوں نے دعوت و تبلیغ، معاشرتی خدمات اور سیاسی ماملات میں اہم کردار ادا کیا ہے اور غلبہٴ دین کی کوششوں میں بھی حصہ لیا ہے۔ سندہ صفحات میں اس کی ایک جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

دعوت و تبلیغ

اسلام کا ماننا یا نہ ماننا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے، جس کا انسانی زندگی پر کوئی اثر پڑتا ہو، بلکہ یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ اس سے دنیا و آخرت کی کامیابی وابستہ ہے۔ جو اللہ کے اس دین کو قبول کریں ان کی ذمے داری ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ دنیا پر اس کی اہمیت واضح کریں۔ یہ ذمے داری مردوں کی بھی ہے اور عورتوں کی۔ چنانچہ دنیا میں اسلام اسی طرح پھیلا کہ دونوں نے اس ذمے داری کو محسوس کیا۔ اس کو پورا کرنے میں لگ گئے۔ مسلمان خواتین نے مشکل ترین حالات میں بھی اس ن کو جس طرح انجام دیا اس کا اندازہ ذیل کے دو چار واقعات سے ہو سکتا ہے:

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم بنت ملحانؓ اپنی سوجھ بوجھ اور دانائی میں مشہور

ہیں۔ علامہ ابن عبدالبرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

كَانَتْ مِنْ عَقْلَاءِ النِّسَاءِ ۱
 امام نوویؒ فرماتے ہیں:

كَانَتْ مِنْ فَاضِلَاتِ
 الصَّحَابِيَّاتِ ۲
 علم و فضل والی صحابیات میں ان کا
 شمار ہوتا تھا۔

نیکی اور تقویٰ میں بھی ان کا بڑا اونچا مقام تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے جنت کا مشاہدہ کیا۔ وہاں میں نے کسی کی چاپ سنی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کس کے چلنے کی آواز ہے؟ بتایا گیا: عمیصاء (ام انسؓ) کی آواز ہے۔ ۳

مدینہ میں اسلام پہنچا تو انھوں نے سبقت کی اور اسلام لے آئیں۔ اس وقت ان کے شوہر مالک بن نصر مدینہ سے باہر تھے۔ واپس ہوئے تو انھیں اس کا علم ہوا۔ کہ کیا بے دین ہوگئی ہو؟ جواب دیا: نہیں! محمد ﷺ پر ایمان لائی ہوں۔ حضرت انسؓ مالکؓ گود میں تھے۔ انھیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ بولنا سکھاتی تھیں۔ دیکھ کر شوہر نے کہا کہ میرے بچہ کا بھی دین نہ خراب کرو۔ کہا: اس کا دین خراب نہیں رہی ہوں (بلکہ صحیح دین کی تعلیم دے رہی ہوں)۔

شوہر کو اسلام کی دعوت دیتی رہیں، لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔ خفا ہو کر شر چلے گئے۔ وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ ۴

شوہر کے انتقال کے بعد مشہور صحابی حضرت ابو طلحہؓ نے ان سے نکاح کرنا چاہا لیکن اس وقت تک وہ اسلام نہیں لائے تھے۔ ام سلیمؓ نے ان سے کہا کہ آپ مشرک ہیں اور میں اسلام لاجبکی ہوں۔ جب تک آپ بھی اسلام نہیں لے آتے ہم دونوں نکاح نہیں ہو سکتا۔ ام سلیمؓ نے ان کے سامنے جس طرح شرک کی تردید کی اور توحید

۱ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۴۹۳۔

۲ نووی، تہذیب الاسماء واللغات: ۲/۳۶۳۔

۳ بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب مناقب عمرؓ، مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل ام سلیمہ

۴ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۴۹۳۔

ابت کیا اس کا ذکر متعدد روایات میں آتا ہے۔ انھوں نے ان کو سمجھایا۔ سوچیے! یہ پتھر
 بر لکڑی کے بت جن کی آپ پوجا کرتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟ فلاں قبیلہ کے
 ننگ تراش نے زمین سے پتھر اٹھایا اور بت بنا کر کھڑا کر دیا۔ فلاں بڑھی نے لکڑی
 مین سے نکالی اور ایک مورت بنا دی۔ یہ آپ کو نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔
 پ چاہیں تو لکڑی کے اس بت کو جلا کر راکھ کر سکتے ہیں۔ اسے سجدہ کرتے ہوئے
 پ کو شرم آنی چاہیے۔ ظاہر ہے یہ گفتگو مختلف اوقات میں ہوئی ہوگی۔ آہستہ آہستہ ان
 کے ذہن کی گرہیں کھل گئیں۔ ایک دن انھوں نے کہا: تمہاری بات میری سمجھ میں
 گئی۔ اب میں اسلام لاتا ہوں۔ اس کے بعد ام سلیم نے ان سے کہا: اب جب کہ
 پ اسلام قبول کر چکے ہیں تو ہم دونوں کا نکاح بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ان کا نکاح
 وا اور حضرت ام سلیم نے (اس خوشی میں) ان سے مہر بھی نہیں لیا!

تبلیغ صرف زبان ہی سے نہیں ہوتی، بلکہ آدمی کا کردار اور اس کا مضبوط رویہ
 ہی تبلیغ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ کسی مسلک پر انسان کی ثابت قدمی، اس کے لیے قربانی
 اور اسے غالب و سر بلند دیکھنے کی تڑپ بعض اوقات وعظ و تبلیغ سے زیادہ کارگر ہوتی ہے
 اور بڑے بڑے لوگ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ مسلمان خواتین کی استقامت اور
 اہل قدمی نے اسلام کے سخت ترین مخالفین کو اپنی جگہ سے ہلا دیا ہے اور وہ اسلام کے
 رے میں سوچنے اور اسے قبول کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

حضرت عمرؓ شروع میں اسلام کے شدید مخالف رہے ہیں۔ روایات سے معلوم
 ہوتا ہے کہ بعض واقعات نے ان کے دل و دماغ کو بے حد متاثر کیا اور وہ اسلام کے
 لقمہ بہ گوش ہو گئے۔ ان میں دو واقعات کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے:

۱- عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی خیشمہ (ام عبد اللہ) قدیم الاسلام
 بن۔ مکہ میں حالات جب ناقابل برداشت ہو گئے تو مسلمان ہجرت کر کے حبشہ جانے

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۳۲۶، ۳۲۷۔

ابن حجر، الاصابہ: ۸/۳۰۸-۳۱۰۔

لگے۔ ان ہی میں یہ دونوں بھی تھے۔ لیلیٰ بنت ابی خیشمہ کہتی ہیں کہ ہم لوگ سفر کے لیے پوری طرح تیار ہو چکے تھے۔ عامر کسی ضرورت سے باہر گئے ہوئے تھے کہ اسی اثنا میں عمر بن خطاب آئے۔ جب ہمیں پا بہ رکاب دیکھا تو کہنے لگے: ام عبد اللہ! کیا اب روانگی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! قسم خدا کی! ہم یہاں سے کہیں بھی چلے جائیں گے۔ دیکھیں اللہ تعالیٰ نجات کی کیا صورت پیدا کرتا ہے؟ آپ لوگوں نے تو ہمیں سخت پریشان کر رکھا ہے۔ اس پر انہوں نے خدا حافظ کہا اور چلے گئے۔ اس وقت میں نے ان کے اندر وہ رقت دیکھی، جو پہلے نہیں دیکھی تھی۔ میرے خیال میں ہمارے مکہ چھوڑنے انہیں افسوس تھا۔ جب عامر واپس گھر پہنچے تو میں نے کہا: اگر آپ عمر کی رقت اور غم و حزر دیکھتے تو تعجب کرتے۔ انہوں نے کہا: شاید تمہیں ان کے اسلام لانے کی توقع ہو چلا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! لیکن حضرت عمرؓ کی سختی کی وجہ سے وہ بالکل مایوس تھے، کہنے لگے کہ خطاب کا گدھا جب تک اسلام نہ لائے عمر بھی اسلام نہیں لاسکتا!

بظاہر اس وقت ان دونوں کی مظلومی اور بے بسی، سختی کے باوجود اپنے دین، ثابت قدمی، اس کے لیے ہجرت، خویش و اقارب اور گھر بار کا چھوڑنا یہ ساری باتیں ایک ایک کر کے حضرت عمرؓ کی نگاہوں کے سامنے آگئی ہوں گی اور وہ سوچنے لگے ہوں گے کہ آخر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ وہ کون سا جرم ہے جس کے لیے انہیں اس قدر تنگ کیا جا رہا ہے؟

۲- حضرت عمرؓ سے پہلے ان کی بہن فاطمہ بنت خطابؓ اور ان کے بہنوئی سعید بن زیدؓ اسلام لاچکے تھے۔ البتہ حضرت عمرؓ کے ڈر سے اسے مخفی رکھا تھا۔ ادھر حضرت عمرؓ اس بات پر سخت برہم تھے کہ رسول اللہ ﷺ باپ دادا کے دین پر تنقید کر رہے ہیں، ان کو نادان اور غلط کار بتا رہے ہیں اور ان کی وجہ سے قریش میں افتراق و انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ ایک دن وہ اس ارادے سے نکلے کہ (نعوذ باللہ) آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا کام تمام کر دیں، تاکہ یہ سارا ہنگامہ ہی ختم ہو جائے۔ راستہ میں نعیم بن عبد ان

سے ملاقات ہوگئی۔ ان کو حضرت عمرؓ کے ارادہ کا علم ہوا تو کہا: اپنا ارادہ بدل دو۔ محمد (ﷺ) پر ہاتھ اٹھاؤ گے تو بنو عبد مناف تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ ان کو قتل کر کے تم زندہ نہیں بچ سکتے۔ اگر محمدؐ اور ان کا دین غلط ہے تو جاؤ اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو۔ وہ دونوں بھی اسلام لایچکے ہیں اور محمدؐ کی پیروی کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی سارا غصہ بہن اور بہنوئی کی طرف مڑ گیا۔ سیدھے ان کے گھر پہنچے۔ حضرت خبابؓ حضرت فاطمہؓ کو قرآن مجید پڑھانے کے لیے ان کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ اس وقت وہ میاں بیوی کو سورہ طہ پڑھا رہے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے باہر سے قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔ پوچھا: یہ کیسی جھنڈناہٹ تھی؟ جواب ملا کوئی خاص بات نہیں ہے۔ پھر گئے اور کہا: مجھے خبر ہے، تم لوگ بھی محمد (ﷺ) کے ساتھ ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر سعید بن زید کو پیٹنے لگے۔ بہن بچانے کے لیے دوڑیں تو انہیں بھی زخمی کر دیا۔ زخموں نے ان دونوں کو ہراساں نہ کیا، بلکہ ان کی حرارتِ ایمانی جوش میں آگئی۔ کہا: ہاں! ہم جدا اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب تمہارا جو جی چاہے کر گزرو۔ اس استقامت نے حضرت عمرؓ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ بہن کو خون آلود دیکھ کر دل میں نادم ہوئے، کہا: جو کتاب تم پڑھ رہے تھے لاؤ۔ دیکھوں تو محمدؐ کیا کہتے ہیں؟ بہن نے کہا: آپ ناپاک ہیں، اس کتاب کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور سورہ طہ پڑھنی شروع کی۔ بات دل میں اترتی چلی گئی اور پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا!

ایسا بھی ہوا ہے کہ شوہر کو ایمان کی سعادت نصیب نہیں ہوئی یا دیر میں نصیب ہوئی اور بیوی ایمان لے آئیں۔ شوہر کی عدم رفاقت کے باوجود اس پر ثابت قدم رہیں۔ حضرت ابو العاصؓ حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے اولاد کی طرح ان کی پرورش کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی آپ کی بڑی صاحب زادی حضرت زینبؓ سے ان کا نکاح ہو گیا تھا۔ یہ دورِ جاہلیت میں بھی اپنی نیکی،

شرافت اور دیانت میں مشہور تھے، لیکن اسلام کی دولت انہیں فتح مکہ سے کچھ پہلے حاصل ہوئی۔ حضرت زینبؓ جنگ بدر کے بعد مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئیں۔ اس طرح بعثت کے بعد وہ پندرہ برس تک مکہ میں ان کے ساتھ رہیں۔

یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت زینبؓ اور حضرت خدیجہؓ نے ان کو سمجھانے اور اسلام کی حقانیت واضح کرنے کی ضرور کوشش کی ہوگی۔ گو حضرت ابو العاصؓ بہت تاخیر سے اسلام لائے۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں ان کوششوں کا دخل نہیں تھا؟

امّ حکیم بنت حارث جنگ احد میں مشرکین کی طرف سے شریک جنگ ہوئی تھیں۔ فتح مکہ کے بعد اسلام لائیں، لیکن ان کے شوہر عکرمہ بن ابو جہلؓ یمن فرار ہو گئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور شوہر کے لیے امان حاصل کی۔ پھر آپؐ کی اجازت سے یمن گئیں، شوہر کو تلاش کر کے اپنے ساتھ لائیں اور آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے بعد وہ بھی اسلام لے آئے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی بہن فاخنتہ بنت ولیدؓ فتح مکہ کے بعد اسلام لائیں اور بیعت کی۔ لیکن ان کے شوہر صفوان بن امیہ خودکشی کے ارادے سے یمن کی طرف فرار ہو گئے۔ وہ سمندر میں خودکشی کرنا چاہ رہے تھے۔ عمیر بن وہب نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے لیے پناہ حاصل کی اور واپس ہوئے۔ اس میں ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فاخنتہ اور صفوان کا، اسی طرح امّ حکیم اور حضرت عکرمہ کا نکاح باقی رکھا۔

امّ ہانیؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کی صاحبزادی اور حضرت علیؓ کی سگی بہن تھیں۔ فتح مکہ کے بعد اسلام لائیں، لیکن ان کے شوہر ہبیرہ مکہ سے نجران فرار

۱ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام، السیرة النبویة: ۲/۲۶۹، ۲۷۰۔

۲ ابن ہشام، السیرة النبویة: ۴/۵۹، ۶۷، ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۸۶۔ ابن اثیر، اسد الغابہ: ۷/۳۰۹۔

۳ ابن ہشام، السیرة النبویة: ۴/۶۶، ۶۷۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۴۷۔ ابن حجر، الاصابہ: ۸/۲۵۷۔

ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔ باپ دادا کے دین کو چھوڑنے کے لیے آخر وقت تک تیار نہیں ہوئے۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمان خواتین نے اسلام قبول کرنے میں اپنے شوہروں کی بھی پروا نہیں کی، پھر صبر و سکون اور حکمت کے ساتھ انہیں سمجھایا، دعوت دی، بڑے بڑے مخالفین کو قبول اسلام پر آمادہ کیا۔ ان کی معافی اور جان بخشی کے لیے تگ و دو کی اور اس سلسلہ میں زحمتیں برداشت کیں۔ اس طرح دعوت دین کا حق ادا کیا اور ان لوگوں کو دنیا اور آخرت کی کامیابی سے ہم کنار کیا، جو اس سے بہت دور ہو چکے تھے۔

معاشرتی تعلقات

دور اول کی خواتین معاشرے سے غیر متعلق اور کٹی ہوئی نہیں رہتی تھیں، بلکہ اس کے رنج و راحت اور خوشی اور غم میں شریک ہوتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو بڑی اہمیت دی کہ عورتوں کے تعلقات اپنے پڑوسیوں سے اچھے ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ فلاں عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بکثرت نماز پڑھتی ہے، روزے رکھتی ہے اور صدقہ و خیرات بھی بہت کرتی ہے، لیکن اپنی بد زبانی کی وجہ سے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: وہ جہنم میں جائے گی۔ اس نے کہا: اس کے برخلاف فلاں عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نفل نمازوں اور روزوں کا کم ہی اہتمام کرتی ہے اور کچھ پیر وغیرہ صدقہ کر دیتی ہے، لیکن خوش اخلاق ہے، اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی۔ آپؐ نے فرمایا: وہ جنت میں جائے گی۔

۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۶۹/۴۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۵۱۸، ۵۱۷ / ۴۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۴۸۵، ۴۸۶۔
 ۲۔ قال المنذری: رواہ احمد والہزار و ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح الاسناد، ورواہ ابو بکر بن ابی شیبہ باسناد صحیح ایضاً۔ الترغیب والترہیب: ۲۴۲/۳۔

اس دور کی خواتین ایک دوسرے کی مدد کرتیں، ان کے دکھ درد میں کام آتیں۔
 محبت اور ہم دردی کا اظہار کرتیں اور ان کی، جو خدمت ممکن ہوتی انجام دیتیں۔
 حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ شادی کے بعد وہ حضرت زبیرؓ کے گھر آئیں تو
 سارا کام کاج ان کو کرنا پڑتا تھا۔ اس سلسلے میں فرماتی ہیں:

لَمْ أَكُنْ أَحْسِنَ أَخْبِرُ فَكَانَ
 يَخْبِرُنِي جَارَاتٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَ
 كُنَّ نِسْوَةَ صِدْقٍ
 میں روٹی اچھی نہیں پکا پاتی تھی۔
 میرے پڑوس کی عورتیں جن کا تعلق
 انصار سے تھا روٹی پکا دیا کرتی تھیں۔ وہ
 بڑی مخلص اور سچی عورتیں تھیں۔

خود حضرت اسماءؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان کے پاس کسی بخار والی
 عورت کو لایا جاتا تو وہ اس کے لیے دعا کرتیں اور گریبان کے اندر (تھوڑا سا ٹھنڈا) پانی
 ڈالتیں۔ فرماتیں: رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمایا تھا کہ ہم بخار (کی حدت) کو
 پانی سے ٹھنڈا کریں۔^۱

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک میت کو دفن کر کے
 ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ واپس ہو رہے تھے۔ جب آپ اپنے مکان کے
 دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک خاتون آ رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کے اندازے
 آپ نے انہیں پہچان لیا تھا، اس لیے کہ وہ حضرت فاطمہؓ تھیں۔ جب وہ قریب آئیں
 آپ نے ان سے پوچھا: تم گھر سے کیوں گئی تھیں؟ انھوں نے عرض کیا: میت والور
 میں گئی تھی، تاکہ تعزیت کروں اور میت کے لیے کلماتِ خیر کہوں۔ آپ نے فرمایا: شاید
 قبرستان بھی گئی تھیں؟ انھوں نے عرض کیا: خدا کی پناہ! وہاں کیسے جاتی؟ اس سے تو آپ
 نے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم وہاں جاتیں تو (بڑا گناہ ہوتا)۔^۲

۱۔ مسلم، کتاب السلام، باب جواز ارداف المرأة الاجتبیہ الحج۔

۲۔ بخاری، کتاب الطب، باب الحلی من فح جھنم۔ ۳۔ ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی التعزیۃ۔
 غالباً یہ ابتدائی ہدایت تھی۔ بعض روایات سے خواتین کے لیے زیارتِ قبور کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

اس طرح کے تعلقات، اگر کسی اخلاقی خرابی کا اندیشہ نہ ہو تو عورتوں اور مردوں کے درمیان بھی ہو سکتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی زندگی میں اس کی مثالیں موجود ہیں:

اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ ہم کچھ عورتیں مسجد میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ مارے پاس تشریف لائے اور سلام کیا۔^۱ ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد آپ نے ان کو شوہروں کے احسانات کی ناشکری کرنے سے منع فرمایا۔^۲

اسی طرح حضرت جریر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کچھ عورتوں کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام کیا۔^۳

حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ جمعہ آتا تو ہم لوگ خوش ہوتے۔ ایک بڑھی خاتون تھیں، نماز جمعہ کے بعد ہم ان کے ہاں جاتے اور سلام کرتے۔ وہ چقندر اور نانا ملا کر ایک رقیق سی چیز تیار کر کے ہمیں کھلاتی تھیں۔^۴

اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو سلام کیا جاسکتا ہے وہیں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ عورتیں مردوں کی خاطر تواضع اور میزبانی بھی کر سکتی ہیں۔

امم ورقہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو شہادت سے رازے گا۔ (اس پیشین گوئی پر سب کو یقین تھا) حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے۔ چلو! شہیدہ سے ملاقات کر آئیں اور وہ ان کی ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے۔^۵

ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی السلام علی النساء۔ ترمذی، کتاب الاستیذان، باب ماجاء فی نسلیم علی النساء۔

۱ بخاری، الادب المفرد: ۲/۳۹۰۔ ۲ مسند احمد: ۳/۳۶۳۔

۳ بخاری کتاب الاستیذان۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کی روایت حسب ذیل باب کے تحت کی ہے۔ تسلیم الرجال علی النساء والرجال (مردوں کا عورتوں کو اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا) مطلب یہ ہے کہ حدیث سے اس کا جواز ثابت ہے۔

۴ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۳۵۷۔

بیماری عیادت اور مزاج پرسی ایک اخلاقی ذمے داری ہے۔ اسلام نے اس کو بڑی تاکید کی ہے۔ اس سے معاشرتی تعلقات خوش گوار ہوتے ہیں اور دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاں مردوں کی عیادت کی ہے خواتین کی بھی عیادت فرمائی ہے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک خاتون کے ہاں، جن کا نام ام السائب یا ام المسائب تھا، تشریف لے گئے (وہ بیمار تھیں)۔ آپ نے ان سے پوچھا: کیا بات ہے؟ کچھ کیوں طاری ہے؟ انھوں نے کہا: حضور! بخار ہے، اللہ اس کا، کرے۔ آپ نے فرمایا: بخار کو برا بھلا مت کہو، اس لیے کہ اس سے بنو آدم کے گناہ اسی طرح دور ہوتے ہیں، جس طرح بھٹی سے لوہے کا زنگ دور ہوتا ہے!

حکیم بن حزامؓ کی پھوپھی ام العلاء کہتی ہیں کہ میں بیمار ہوئی تو رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ فرمایا: اے ام العلاء! بشارت ہو، اس لیے کہ بیماری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک مسلمان کے گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے، جس طرح آگ لوہے کے میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے۔

فاطمہ خراعیہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری خاتون کی عیادت کی۔ آپ نے ان سے حال پوچھا۔ انھوں نے عرض کیا: خیریت ہے، ام یلدم (ایک بیماری) نے بہت تنگ کر رکھا ہے۔ آپ نے صبر کی تلقین کی اور فرمایا: بیماری سے آدھ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے بھٹی میں ڈالنے سے لوہے کا زنگ ختم ہو کا صاف ہو جاتا ہے۔ ۳

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

۱۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب ثواب المؤمن فی ما یصیبه من مرض۔

۲۔ ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب عیادة النساء۔

۳۔ قال المنذری: رواه الطبرانی ورواه رواة الصحیح۔ الترغیب والترہیب: ۱۵۲/۳۔

كُنَّ النِّسَاءُ يُسَلِّمْنَ عَلَيَّ الرَّجَالِ ۱

عورتیں مردوں کو سلام کیا کرتی تھیں

حارث بن عبید اللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام درداءؓ نے انصار میں سے ایک شخص کی، جو مسجد نبوی کے قریب رہتے تھے، عیادت فرمائی۔

ابراہیم بن ابی عبلمہ کہتے ہیں کہ میری بیوی بیمار تھی۔ میں ان دنوں حضرت ام درداءؓ کی خدمت میں آیا کرتا تھا۔ وہ مجھ سے بیوی کا حال پوچھتیں۔ میں اس کی بیماری کا ذکر کرتا۔ وہ میرے لیے کھانا منگواتیں اور میں کھایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے مال پوچھا، میں نے کہا: اب تقریباً ٹھیک ہے۔ انھوں نے کہا: تمہاری بیوی بیمار تھی، اس لیے تم تمہیں کھانا کھلا دیا کرتے تھے۔ اب جب وہ ٹھیک ہو گئی ہے تو کھانا نہیں کھلائیں گے۔ حضرت ام درداءؓ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ خواتین مردوں کی عیادت بھی کر سکتی ہیں اور وہ کسی خانگی الجھن میں ہوں تو اپنے گھر ان کے کھانے کا انتظام بھی کر سکتی ہیں۔

سماجی خدمات

اسلام نے عورتوں کو سماج کی خدمت کرنے اور اس کی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لینے سے منع نہیں کیا ہے۔ وہ ان کاموں میں حصہ لے سکتی ہیں اور فی الواقع جیتی رہی ہیں۔ یہاں دو ایک مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

دور رسالت کا واقعہ ہے، مسجد نبوی میں منبر نہیں تھا۔ ایک خاتون نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرا ایک غلام ہے جو بڑھتی ہے۔ اگر اجازت ہو تو کوئی اونچی چیز بنوادوں، جس پر آپ بیٹھ کر خطبہ دے سکیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! منبر بنوادو۔

۱۔ بخاری، الادب المفرد: ۲/۳۹۰۔

۲۔ رواہ البخاری تعليقاً۔ کتاب الرضی، باب عیادة النساء الرجال ورواہ مرفوعاً فی الادب المفرد: ۱/۶۲۷۔

۳۔ بخاری، الادب المفرد: ۱/۶۰۶۔

۴۔ بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الاستعاذۃ بالجار والصریح۔

مکہ میں پانی کی سخت تکلیف تھی۔ ایک مُشک پانی ایک دینار میں فروخت ہو
تھا۔ زبیدہ بنت جعفر نے دس میل لمبی نہر کی تعمیر کا حکم دیا، تاکہ مکہ والوں کو آسانی سے
پانی مل سکے۔ اس کے لیے پہاڑوں کو توڑنا اور چٹانوں کو کاٹنا پڑ رہا تھا۔ اس کام کے
نگراں نے زبیدہ سے کہا کہ اس پر بہت خرچ آ رہا ہے۔ اس نے جواب دیا: اسے ضرور
انجام دینا ہے، چاہے ہتھوڑے کی ایک ضرب پر ایک دینار ہی کیوں نہ خرچ آئے۔ اور
طرح یہ زبردست کام انجام پایا!

سیاسی محاذ پر

دورِ اوّل کی مسلمان خواتین اعلیٰ سیاسی مناصب پر تو ہمیں نظر نہیں آتیں، لیکن
وہ سیاست سے غیر متعلق بھی نہیں رہی ہیں۔ انھوں نے اپنے دور کے سیاسی حالات پر
نظر رکھی۔ اسلامی ریاست کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی اور قربانیاں دیں، خلفاء اور امرا
کو نصیحتیں کیں، مشورے دیے اور حسب حال سیاسی خدمات انجام دیں۔
یہ ایک حقیقت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے ساتھ خواتین بھی
جنگوں میں شریک ہوتی تھیں اور مختلف پہلوؤں سے ان کی مدد کرتی تھیں۔ یہاں صرف
دو ایک مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔ لیلیٰ الغفاریہ کے بارے میں علامہ ابن عبد البر
لکھتے ہیں:

كَانَتْ تَخْرُجُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ نَبِيٍّ ﷺ كَسَاحَةِ آفٍ كَغَزَوَاتِ
فِي مَغَازِيهِ تُدَاوِي الْجَرْحَى وَ فِي وَه جَاتِي تَهِي، زَخِيوِي كِي مَرَهَمِ پِي
تَقْوَمُ عَلَي الْمَرَضِي ۱
کرتیں اور مریضوں کی دیکھ بھال کرتیں۔
ام سلیط کے حالات میں ابن سعد نے لکھا ہے:

۱ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۲/۷۰۔

۲ الاستیعاب: ۲/۴۶۳، ۴۶۴۔

اَسْلَمَتْ اُمُّ سَلِيْطٍ وَ بَايَعَتْ
 وَ شَهِدَتْ خَيْرًا وَ حُنَيْنًا
 حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:
 كَانَتْ تَزْفِرُ لَنَا الْقِرْبَ يَوْمَ
 اُحُدٍ
 وہ ہمارے لیے احد میں ٹھک بھر
 بھر کر پانی لاتی تھیں۔

روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین کی سر بلندی اور مسلمانوں کی کامیابی سے چھوٹی بڑی ہر خاتون خوشی اور مسرت محسوس کرتی تھی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ننگ سے واپس ہوئے تو ایک سیاہ قام باندی آئی اور کہا کہ میں نے یہ نذر مانی تھی کہ خیریت کے ساتھ آپؐ کی واپسی ہوگی تو آپ کے سامنے دف بجا کر اور گا کر خوشی کا اظہار کروں گی۔ آپ نے فرمایا: اگر واقعی تم نے نذر مانی ہے تو پوری کر لو، رنہ رہنے دو۔ اس نے عرض کیا: میں نے نذر مانی ہے۔ چناں چہ آپ بیٹھ گئے اور اس نے گا کر اور دف بجا کر خوشی کا اظہار کیا۔

مسلمان خواتین نے اپنے وقت کے خلفاء کو نصیحتیں بھی کی ہیں۔ حضرت حاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کو لکھا کہ مجھے ایک مختصر سی نصیحت کیجیے۔ حضرت عائشہؓ نے بول کر م کا یہ ارشاد لکھ کر بھیجا جس میں ایک حاکم کے لیے بہترین راہ نمائی ہے:

مَنْ اَتَمَسَ رِضَا اللّٰهِ
 بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةً
 جو شخص لوگوں کو ناخوش کر کے اللہ کی
 رضا تلاش کرے (لوگ اس کا کچھ نہیں
 بگاڑ سکتے، کیوں کہ) اللہ تعالیٰ اسے
 انسانوں کے شر سے بچا لیتا ہے، لیکن جو
 النَّاسِ وَ مَنْ اَتَمَسَ رِضَا النَّاسِ

ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۴۱۹۔

ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۴۹۳۔

ع ترمذی: کتاب المناقب، باب مناقب عمر ابی حفص۔ ابوداؤد، کتاب النذور، باب ماؤ مرہ
 بن وفاء النذر۔

بَسَخَطِ اللّٰهِ وَ كَلَّهٗ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ
 شخص اللہ کو خفا کر کے لوگوں کی خوش نویدی
 ڈھونڈے تو اللہ تعالیٰ اسے ان ہی کے
 حوالہ کر دیتا ہے (اور وہ جس طرح چاہتے
 ہیں اس پر حکومت کرتے ہیں)۔

قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ حج کے موقع پر حضرت معاویہؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پہنچے۔ اس وقت ان دونوں کے ساتھ صرف حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوا تھے۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت معاویہؓ سے کہا: آپ نے میرے بھائی محمد بن ابوبکر کو قتل کرادیا۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ میں وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور مدینہ میں شہید ہوئے تھے۔ کیا آپ کو اس کا خیال نہیں آیا کہ میں بھی کسی آدمی کو لگا سکا ہوں، جو آپ کو قتل کر دے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا: آپ نے سچ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے فرمایا: مجھے امید ہے، آپ ایسا نہیں کریں گی۔ پھر ان کو حضرت عائشہؓ نے نصیحت فرمائی اور اتباع شریعت کی ترغیب دی۔^۱

بریرہ ایک لونڈی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے انہیں خرید کر آزاد کیا تھا۔ اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان کا بیان ہے کہ خلافت سے پہلے میں بریرہ کی مجلس میں بیٹھ کر رہتا تھا۔ وہ مجھ سے کہتی تھیں کہ میں تمہارے اندر بعض خوبیاں دیکھتی ہوں۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ حکومت اور خلافت تمہیں ملے گی۔ اگر تمہیں خلافت حاصل ہو تو خوں ریز سے بچنا، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جنت کو دیکھنے کے بعد جب انسان اس کے دروازے سے ہٹا دیا جائے گا، اس تھوڑے سے خونِ ناحق کی وجہ سے جو اس نے کسی مسلمان کا بہایا ہوگا۔^۲

شفاء بنت عبد اللہؓ کے حالات میں علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں:

۱۔ ترمذی، ابواب الزہد، باب ۶۴

۲۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۳۱۔

۳۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۳۵۸۔

شفاءؓ ہجرت سے پہلے اسلام لا چکی تھیں۔ وہ ابتدائی مہاجرین میں سے تھیں، انہوں نے نبی ﷺ سے بیعت بھی کی تھی۔ وہ عقل و فہم اور فضیلت والی عورتوں میں تھیں.... حضرت عمرؓ ان کو رائے اور مشورہ میں آگے بڑھاتے، ان کو خوش رکھتے اور ان کو (دوسروں پر) فضیلت دیتے۔ بسا اوقات ان کو بازار کی کوئی ذمہ داری بھی سونپتے تھے۔

أَسْلَمَتِ الشِّفَاءُ قَبْلَ الْهَجْرَةِ
فَهِيَ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ الْأَوَّلِ وَ
بَايَعَتِ النَّبِيَّ ﷺ وَكَانَتْ مِنْ
عُقَلَاءِ النِّسَاءِ وَفُضْلًا يَهْنُ... وَ
كَانَ عُمَرُ يُقَدِّمُهَا فِي الرَّأْيِ وَ
يُرِضَاهَا وَ يُفْضِلُهَا وَرُبَّمَا وَلاَهَا
شَيْئًا مِنْ أَمْرِ السُّوقِ!

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاء بنت عبد اللہ کی عقل و دانش اور علم و فضل ب کے نزدیک مسلم تھی۔ حضرت عمرؓ ان کی رایوں کو اہمیت دیتے تھے اور بعض اہلی خدمات بھی ان کے سپرد کی تھیں۔

فاطمہ بنت قیسؓ مشہور صحابیہ ہیں۔ ابتدائی مہاجرین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کے حالات میں علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں:

وہ صاحب جمال اور عقل و کمال والی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ان ہی کے مکان پر اصحاب شوریٰ جمع ہوئے تھے اور انہوں نے وہ تقریریں کی تھیں، جو ان سے منقول ہیں۔ زبیر (ابن بکار) نے کہا ہے کہ وہ شریف خاتون تھیں۔

كَانَتْ ذَاتَ جَمَالٍ وَ عَقْلٍ وَ
كَمَالٍ وَ فِي بَيْتِهَا اجْتَمَعَ
أَصْحَابُ الشُّورَى عِنْدَ قَتْلِ
عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ وَ خَطَبُوا
خُطْبَهُمُ الْمَأْثُورَةَ قَالَ الزُّبَيْرُ وَ
كَانَتْ امْرَأَةً نَجُودًا!

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فہم و فکر اور شرافت پر سب کو اعتماد تھا۔ نرت عمرؓ کی شہادت کے بعد صحابہ کی مجلس شوریٰ میں خلیفہ کے انتخاب کے سلسلے میں،

ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۳۲۳، ۴۲۴۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۸/۲۰۱، ۲۰۲۔

ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۳۵۴۔

جو زبردست بحثیں ہوئی تھیں وہ ان ہی کے گھر پر ہوئی تھیں۔ بظاہر وہ ان سے براہ راست متعلق اور ان سے واقف بھی رہی ہوں گی۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان خواتین دین و اخلاق، سیرت و کردار، علم و سیاست اور تہذیب و معاشرت ہر میدان میں نمایاں رہی ہیں۔ انھوں نے مختلف پہلوؤں سے اسلام کی اتنی زبردست خدمت انجام دی ہے کہ تاریخ کا کوئی بھی طالب علم نہ تو ان نظر انداز کر سکتا ہے اور نہ کم کر کے دکھا سکتا ہے۔

دورِ حاضر میں مسلم خواتین کی ملازمت کا مسئلہ

(موجودہ دور میں مسلم خواتین کی ملازمت سے متعلق اسلامک فقہ اکیڈمی (نئی دہلی) کے ایک سوال نامہ کے جواب میں ذیل کا مضمون تحریر کیا گیا۔ سوالات فقہ اکیڈمی ہی کے قائم کردہ ہیں۔)

خاندان میں مرد اور عورت کے فرائض

خاندانی نظام میں عام طور پر مرد کی حیثیت سربراہ کی ہوتی ہے۔ وہ اس کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہے، بیوی بچوں اور بعض اوقات قریبی عزیزوں کی معاش اور دوسری ضروریات کا نظم کرتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت اور شادی بیاہ کے اخراجات برداشت کرتا ہے۔ دوسری طرف عورت امور خانہ داری انجام دیتی ہے، جس میں گھر کے کام کو ٹھیک رکھنا، بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش اور شوہر کے مال کی حفاظت جیسے امور شامل ہیں۔ خاندان کا یہی نظام عرب میں بھی رائج تھا۔ اس نظام میں بعض بڑی بے اعتدالیاں تھیں، ایک دوسرے کے حقوق متعین نہیں تھے، ذمہ داریاں واضح نہیں تھیں۔ بعض اوقات عدل و انصاف کے صریح تقاضے پورے نہیں ہوتے تھے۔ عورت اپنی طبعی کم زوری کی وجہ سے سب کچھ برداشت کرتی تھی۔ اسلام نے خاندان کا نظام قائم رکھا، اسے مستحکم بنیادیں فراہم کیں، ظلم و نا انصافی سے پاک کیا، مرد اور عورت کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کیا، مرد کی مطلق بالادستی ختم کی، عورت کی کم زوری کی

رعایت کی اور اسے قانونی تحفظ فراہم کیا۔ خاندان کی بقا اور استحکام کے لیے اس نے مرد سے کہا کہ وہ عورت کی معاش کا ذمہ دار ہے۔ یعنی از روئے قانون عورت کا یہ حق قرا دیا کہ مرد اس کا نان نفقہ برداشت کرے۔ اس انتظام کی بظاہر ایک حکمت یہ ہے کہ عورت گھر کے داخلی نظم کو چلانے کے لیے خود کو فارغ کر سکے۔

تعلیم یافتہ خواتین میں ملازمت کا رجحان

موجودہ دور میں جو سماجی تبدیلیاں آئی ہیں اور ضروریاتِ زندگی کا دائرہ جسر طرح وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اس میں یہ ضروری سمجھا جانے لگا ہے کہ مرد کے ساتھ عورت بھی معاشی جدو جہد میں شریک ہو۔ آج کی عورت خود بھی معاشی طور پر خود کفیل ہونا چاہتی ہے اور خاوند یا کسی دوسرے فرد پر انحصار کرنا نہیں چاہتی۔ اسے اس کے مواقع بھی حاصل ہیں۔

آج بہت سی مسلمان خواتین، خصوصاً تعلیم یافتہ خواتین بھی اسی طرح سوچتی ہیں اور عملاً معیشت کے میدان میں حصہ لے رہی ہیں۔ ان کے سلسلے میں بعض وہ سوالات جو اس وقت پیش نظر ہیں، یہاں ان کا جواب دینے کی طالب علمانہ کوشش کی جا رہی ہے۔

سوال: ۱

شریعت اسلامی خواتین کے لیے کسبِ معاش کو کس نظر سے دیکھتی ہے؟

جواب:

اسلام نے عورت کو معاش کی فکر سے بڑی حد تک بے نیاز رکھا ہے۔ اس کے لیے وہ عام حالات میں مجبور نہیں ہے، لیکن اس کی معاشی جدو جہد کو ناپسندیدہ نہیں کہا جاسکتا۔ رزق کو قرآن مجید میں اللہ کا فضل کہا گیا ہے اور اسے تلاش کرنے کی ہدایت کا گئی ہے۔ سورہ جمعہ میں ارشاد ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ. (ہے کہ) زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (المجموعہ: ۱۰) تلاش کرو۔

عورت کو بھی اللہ کا فضل تلاش کرنے کا حق ہے۔ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ حق صرف مرد کو حاصل ہے، عورت کو حاصل نہیں ہے۔ اس پر ایک اور پہلو سے بھی نور کیا جاسکتا ہے۔

عورت کو مختلف ذرائع سے مال حاصل ہوتا ہے، ان میں مہر اور میراث شامل ہے، جس کی مقدار بعض اوقات بڑی ہو سکتی ہے۔ تحفہ، عطیہ اور ہبہ کی شکل میں اس کے اس مال آسکتا ہے، وہ چھوٹے بڑے وقف کی نگراں ہو سکتی ہے۔ از روئے شرع اسے اس کا حق ہے کہ اپنے سرمایہ کو ترقی دے اور اس میں اضافے کی کوشش کرے۔ وہ اپنی رضی سے اس میں تصرف کا بھی حق رکھتی ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے امام ابوحنیفہ، امام شافعی، ابن المنذر اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مسلک ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لِلْمَرْأَةِ الرَّشِيدَةِ التَّصَرُّفُ فِي مَا لَهَا كُلِّهَا بِالتَّبَرُّعِ وَالْمَعَاوَضَةِ. (سجھ دار عورت کے لیے اپنے پورے مال میں تصرف کا حق ہے۔ اسے وہ نیک کاموں میں صرف کر سکتی ہے اور معاوضہ پر بھی لگا سکتی ہے۔)

اسی کا ایک پہلو یہ ہے کہ کسی کم سن لڑکی کا مال اس کے ولی کے پاس ہو تو جب وہ بالغ ہو جائے اور اسے سوجھ بوجھ حاصل ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے

ابن قدامہ، المغنی: ۶/۶۰۲۔ تحقیق الدكتور عبداللہ بن عبدالحسن التركي والدكتور عبدالفتاح محمد نلو، ہجر القاہرہ، ۱۹۹۲ء۔ امام مالک کو اس سے اختلاف ہے۔ ایک روایت امام احمد سے بھی اس کی تائید میں ہے کہ عورت اپنا مال شوہر کی اجازت کے بغیر ایک تہائی سے زیادہ صرف نہیں لے سکتی۔ ابن قدامہ نے دلائل سے اس کی کم زوری واضح کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ص ۶۰۲-۶۰۳۔

کردیا جائے گا، چاہے اس کی شادی نہ ہوئی ہو۔ یہی حضرت عطاء بن ابی رباح، امام ثوری، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، ابو ثور اور ابن المہدی کا مسلک ہے۔^۱

سوال: ۲

کیا شریعت نے خواتین پر بھی نان و نفقہ کی ذمہ داری رکھی ہے؟ (خواہ ان کا نفقہ ہو یا بچوں وغیرہ کا)

جواب:

شریعت نے عام حالات میں عورت پر معاشی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے۔ اس کا نفقہ پیدائش کے بعد سے بلوغ تک، بلکہ جب تک شادی نہ ہو جائے باپ کا ذمہ ہے۔ شادی کے بعد شوہر پر اس کا نان و نفقہ واجب ہے، لیکن بعض حالات میں کہ نہ کسی درجہ میں اس پر بھی معاشی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کی بعض مثالیں ذیل میں دی جا رہی ہیں:

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر بچوں کا باپ نہیں ہے تو ماں پر ان کا نان و نفقہ واجب ہوگا۔ علامہ ابن قدامہ حنبل کہتے ہیں:

ان الام تجب نفقتها ویجب علیہا ان تنفق علی ولدہا إذا لم یکن لہ اب و بہذا قال ابو حنیفہ و الشافعی۔^۲

ان کا نفقہ اولاد پر واجب ہے، اسی طرح ماں پر واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد پر خرچ کرے اگر اس کا باپ نہ ہو۔ (امام احمد کے ساتھ) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے۔

۱ ابن قدامہ، المغنی: ۶/۲۰۱-۲۰۲۔ امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رائے یہ ہے کہ شادی سے پہلے اس کا مال اس کے حوالہ نہیں کیا جائے گا۔ ابن قدامہ نے اس نقد کیا ہے اور اس کی کم زوری واضح کی ہے۔

۲ ابن قدامہ، المغنی: ۱۱/۳۰۳۔ امام مالک کو اس سے اختلاف ہے، ان کے نزدیک عصباء پر نفقہ واجب ہوتا ہے۔ ماں عصبہ نہیں ہے، اس لیے اس پر اولاد کا نفقہ واجب ہے نہ اولاد پر اس کا نان و نفقہ لازم ہے۔ حکمی عن مالک انه لا نفقة علیہا ولا لہا لانہا لیست عصبۃ لو لدھا۔ المغنی: ۱۱/۳۰۳۔

مزید فرماتے ہیں:

فان اعسر الأب وجبت النفقة
 علی الأم، ولم ترجع بها علیہ ان
 ایسر^۱
 اگر باپ تنگ دست ہو اور اولاد کا نفقہ نہ
 برداشت کر سکے تو ماں پر اس کا نفقہ واجب
 ہو جائے گا۔ یہ اس کی طرف سے قرض نہ
 ہوگا، اس لیے باپ بعد میں خوش حال یا
 صاحب حیثیت ہو جائے تو اس کا مطالبہ وہ
 اس سے نہ کر سکے گی۔

اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے:

ام معسرة وجدّة موسرة النفقة
 علی الجدّة^۲
 ماں تنگ دست اور دادی خوش حال ہے تو
 نفقہ دادی پر واجب ہوگا۔
 بالغ اولاد جو اپنا خرچ نہیں اٹھا سکتی، اس کے متعلق فقہ حنفی کی معتبر کتاب
 ندوری میں کہا گیا ہے:

وتجب نفقة الابنة البالغة
 والابن الزمن علی ابویہ اثلاثاً،
 علی الأب الثلثان وعلی الأم
 الثلث^۳
 لڑکی جو بالغ ہے اور لڑکا جو بلوغ کے
 بعد معذور اور اپانچ ہے اس کا نفقہ باپ اور
 ماں دونوں پر واجب ہوگا۔ باپ پر دو تہائی
 اور ماں پر ایک تہائی۔

اسی طرح کہا گیا ہے کہ بھائی اگر تنگ دست ہے تو بہنوں پر ان کی میراث
 کے لحاظ سے نفقہ واجب ہے۔ (ونفقہ الأخ المعسر علی الاخوات المتفرقات
 خماساً علی قدر المیراث) وہ اس طرح کہ حقیقی بہن پر ۳/۵ اور اخیانی بہن اور
 ملائی بہن میں سے ہر ایک پر ۱/۵ ہوگا۔^۴

۱ المغنی: ۱۱/۳۷۳۔

۲ المغنی: ۱۱/۳۷۶۔

۳ ہدایہ مع نصب الرایۃ: ۳/۴۰۷۔ دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۶ء۔

۴ ہدایہ مع فتح القدر لایبن الہمام: ۳/۳۸۱۔ دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۵ء۔

اس وقت نفقات کے سلسلے میں فقہاء کی آراء اور ان کے دلائل زیر بحث نہیں ہیں۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ایسی صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں اگر کہا جائے کہ عورت پر بھی از روئے شرع افرادِ خاندان کا نفقہ واجب ہوتا ہے تو جمہور فقہاء کی اسے تائید حاصل ہوگی۔

اس قانونی بحث سے قطع نظر افرادِ خاندان میں الفت و محبت اور تعاون ہمدردی کے، جو فطری جذبات پائے جاتے ہیں، ان کے کچھ اور تقاضے ہیں۔ اسلام از جذبات کو ابھارتا اور تقویت پہنچاتا ہے۔ شوہر کا نفقہ بیوی پر کسی حال میں واجب نہیں ہے، لیکن خوش حال بیوی تنگ دست شوہر کی مدد کر سکے تو یہ اعلیٰ اخلاق کا ثبوت ہوگا شریعت اسے بہت بڑے اجر و ثواب کا عمل قرار دیتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا معاشی حالت اچھی نہیں تھی، ان کی بیوی زینب ان پر اور اپنے یتیم بچوں پر (جو سائبو شوہر سے تھے) خرچ کرتی تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:

أَبْجَزِي عَنِّي أَنْ أَفِيقَ عَلَى زَوْجِي
وَأَيْتَامَ فِي حِجْرِي.

کیا میرا اپنے شوہر پر اور اپنے ان یتیم بچوں پر جو میری حفاظت اور نگرانی میں ہیں، خرچ کرنا میری طرف سے کافی ہو جائے گا اور میں اپنے فرض سے سبک دوش ہو جاؤں گی۔

یہی سوال ایک اور خاتون کو درپیش تھا۔ آپ نے دونوں سے فرمایا:

لَهُمَا أَجْرَانِ: أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَأَجْرُ
الصَّدَقَةِ.^۲

حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ابوسلمہؓ کا انتقال ہوچکا

۱۔ اس سلسلے کی کسی قدر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد ۲، جزء ۱۱۱-۱۱۳، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۸۸ء۔

۲۔ بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الزکوٰۃ علی الزوج والایتام فی الحجْر۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین الخ۔

ہے۔ اب ان کے بچوں پر اگر میں خرچ کروں تو کیا مجھے اس کا اجر ملے گا۔ میں انھیں پھوڑ بھی نہیں سکتی۔ بہر حال وہ میرے بچے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

نعم، لَكَ أَجْرٌ مَّا أَنْفَقْتَ عَلَيْهِمْ۔
ہاں، تم ان پر جو کچھ خرچ کرو گی اس کا تمہیں اجر ملے گا۔

بعض اوقات عورت پر افراد خاندان کی مدد کی اخلاقی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ یہ احادیث بتاتی ہیں کہ شوہر اور گھر کے دوسرے افراد ضرورت مند ہوں اور عورت ان کی ضرورت پوری کرے تو وہ دوسرے مدتِ خیر میں خرچ کرنے سے زیادہ اجر و ذاب کی مستحق ہوگی۔ اس جذبہ سے اگر عورت اپنی مالی حیثیت کو بہتر بنانے کی کوئی جائز ذمیر اختیار کرے تو اسے ناجائز نہیں، بلکہ جائز اور پسندیدہ ہی کہا جائے گا۔

سوال: ۳

محض معیارِ زندگی کو بلند کرنے، یا وقت گزاری اور سرمایہ و اثاثہ پیدا کرنے کی رض سے عورتوں کے لیے معاشی جدوجہد کا کیا حکم ہے؟ جب کہ گھر کی مالی حالت ایسی ہے کہ اس میں تنگی ترشی سے کام چل سکتا ہے اور چلتا ہے؟

جواب:

اسلام نے دنیا میں ملوث ہونے اور اپنی توانائیوں کو اسی میں لگا دینے سے منع کیا ہے اور قناعت کی تعلیم دی ہے، لیکن اگر کوئی شخص جائز اور حلال ذرائع سے مال حاصل کرتا اور آسائش و راحت کی زندگی گزارتا ہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ بشرطے کہ اس کی معاشی مصروفیات ایسی نہ ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول جائے، اس کے بندوں کے حقوق کو فراموش کر بیٹھے اور دنیا پرستوں کی طرح غفلت کی زندگی گزارنے لگے۔ کاروبار دنیا شد کے نیک بندوں کو اس کی یاد سے، نماز اور زکوٰۃ سے غافل نہیں ہونے دیتا۔ وہ اللہ

کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ
ذِكْرِ اللَّهِ وَاقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ
الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ
الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (النور: ۳۷)

وہ لوگ کہ انھیں تجارت اور خرید و فروخت
اللہ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ
ادا کرنے سے غفلت میں نہیں ڈالتے۔ وہ اس
دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور
آنکھیں (خوف سے) الٹ جائیں گے۔

تجارت اور خرید و فروخت سے ضروریات زندگی بھی پوری ہو سکتی ہیں اور
خوش حالی کا بھی امکان ہے۔ تجارت میں بالعموم یہ دونوں ہی باتیں پیش نظر ہوتی ہیں۔
مرد کی طرح عورت بھی اسلامی حدود میں عسرت کی جگہ راحت کی زندگی کے لیے تجارت
یا کوئی جائز تدبیر اختیار کرے تو اسے غلط نہیں کہا جاسکتا۔ شریعت نے اس معاملہ میں مرد
اور عورت کے درمیان بہ ظاہر کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

سوال: ۴

خواتین کے لیے کسب معاش کی کوئی صورت اختیار کرنے میں کیا اس وقت
بھی، جب کہ وہ اندرون خانہ ہی اپنی معاشی سرگرمیوں کو محدود رکھیں، اپنے ولی یا شوہر
سے اجازت لینا ضروری ہوگا؟

جواب:

عورت کے لیے اندرون خانہ اپنی معاشی مصروفیت کے لیے شوہر سے اجازت
لینا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے نان و نفقہ کا از روئے شرع، مرد ذمہ دار
ہے۔ وہ کسب معاش کے لیے مجبور نہیں ہے۔ عورت کا نان و نفقہ مرد پر اس لیے بھی
واجب ہے کہ وہ اس کا وقت لیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں عورت نان و نفقہ کے عوض
شوہر کے لیے اپنا وقت فارغ کرتی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

النفقة جزاء الاحتباس، فكل من
 نفقة عورت کو زوے رکھنے کا معاوضہ
 كان محبوسا بحق مقصود لغيره ہے۔ جو شخص دوسرے کے فائدے کے لیے
 كانت نفقته عليه۔ محبوس ہے (اپنا وقت اسے دے رہا ہے) اس
 کا نفقہ اس پر واجب ہوگا۔

اس کی دلیل یہ دی گئی ہے:

اصلہ القاضی والعامل فی
 الصدقات^۱ اس کی اصل قاضی اور عامل صدقات
 ہے۔

قاضی اور عامل صدقات کے اوقات مسلمانوں کی فلاح کے لیے حاصل کیے
 اتے ہیں، اس لیے ان کا نفقہ بیت المال پر واجب ہوتا ہے۔ یہی معاملہ عورت کے
 ان و نفقہ کا ہے۔ جب عورت کے اوقات شوہر کے لیے فارغ ہیں تو وہ اس کی اجازت
 کے بغیر کوئی دوسری مصروفیت نہیں اختیار کر سکتی۔

سوال: ۵

اگر عورت کو کسب معاش کے لیے گھر سے باہر نکلنا پڑے تو کیا اس کے لیے
 یا شوہر کی اجازت ضروری ہے؟ گھر سے نکلنا مسافت سفر یا اس سے زیادہ کے لیے،
 اس سے کم کے لیے، دن کے وقت ہو یا رات کے وقت، ولی اس خاتون کی کفالت
 لرتا ہو یا نہ کرتا ہو، ان صورتوں میں حکم شرعی کے اعتبار سے کچھ فرق بھی ہوگا؟

جواب:

عورت کو گھر کے اندر کوئی ذریعہ معاش اختیار کرنے کے لیے جب شوہر کی
 بازت ضروری ہے تو اس مقصد سے باہر نکلنے کے لیے بدرجہ اولیٰ اجازت ضروری ہوگی۔
 دہرا سے اجازت دے بھی سکتا ہے اور منع بھی کر سکتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

وللزوج منعها من الخروج الى
ما لها منه بد.
شوہر کو یہ حق ہے کہ عورت کو باہر نکلنے
سے ان امور کے لیے بھی منع کر دے جو اس
کے لیے ضروری ہیں۔

مزید کہتے ہیں:

ولأيجوز لها الخروج الآ
بأذنه.
عورت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر
گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔

اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شوہر کو قانونی طور پر اس کا حق ضرور ہے
کہ بیوی کو اپنے والدین کی عیادت کے لیے جانے سے بھی منع کرے، لیکن یہ والدین
کے ساتھ حسن سلوک کے منافی ہے، اس لیے اس کی اجازت اسے دینی چاہیے۔ اگر
طرح وہ بیوی کو مسجد جانے سے روک سکتا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ
انہیں نہ روکا جائے۔^۱

عورت کے سفر کے سلسلے میں حدیث میں صراحت ہے کہ بغیر محرم کے اگر
کا سفر کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ حکم کتنی مسافت کے لیے ہے؟ اس سلسلے میں مختلف
روایات ملتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُوْمِنُ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، تُسَافِرُ مَسِيرَةَ يَوْمٍ
وَلَيْلَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ عَلَيْهَا. ۳
کسی عورت کے لیے جو اللہ اور آخرت پر ایمان
رکھتی ہو جائز نہیں کہ کوئی ایسا سفر بغیر محرم کے
کرے جس کی مسافت ایک دن اور رات کی ہو۔

اس روایت میں عورت کو، اگر محرم اس کے ساتھ نہ ہو تو، ایک دن کی مسافت

۱ ابن قدامہ، المغنی: ۱۰/۲۲۳۔

۲ ابن قدامہ، المغنی: ۱۰/۲۲۳۔

۳ مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ۔

والے سفر سے منع کیا گیا ہے۔ بعض دوسری روایات میں دو دن اور تین دن کی مسافت کا ذکر ہے۔ اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں مسافت کا ذکر ہی نہیں ہے۔

لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي

عورت سفر نہ کرے مگر محرم کے ساتھ۔

مَحْرَمٍ ۱

محدثین نے ان روایات میں یہ تطبیق دی ہے کہ اس اختلاف کا تعلق سوال کے اختلاف سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے عورت کے تین دن کے سفر کے متعلق، کسی نے دو دن اور کسی نے ایک دن کے سفر کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے ہر موقع پر یہ جواب دیا کہ اس کا بغیر محرم کے سفر کرنا منع ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں بُریدؓ کا لفظ آیا ہے، جو آدھے دن کے سفر کے لیے بولا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت بتاتی ہے کہ عورت کا بغیر محرم کے مطلق سفر صحیح نہیں ہے۔ اسی پر دوسری روایتوں کو محمول کرنا چاہیے ۲

موجودہ دور میں سفر آسان ہو گیا ہے، فاصلے سمٹ گئے ہیں، آمد و رفت کے تیز رفتار ذرائع موجود ہیں، آدمی گھنٹوں میں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ جاتا ہے۔ تمدنی حالات نے سفر کو ایک ضرورت بنا دیا ہے اور چھوٹے بڑے سفر بہ کثرت ہونے لگے ہیں۔ سفر میں اجنبی مرد اور عورت کے لیے خلوت کے امکانات اور مواقع ہوتے بھی ہیں اور نہیں بھی ہوتے، عورت کے ساتھ دست درازی بھی ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عورت کا تنہا سفر خطرات سے بالکل محفوظ ہے۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ عورت کا سفر شوہر یا محرم کے ساتھ ہو۔ اس پورے پس منظر میں اس مسئلہ پر مزید غور و فکر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

جہاں تک اوقات ملازمت کا تعلق ہے آج کل ملازمت کبھی دن کی ہوتی ہے

۱ ان روایات کے لیے ملاحظہ ہو: مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ۔

۲ نووی، شرح مسلم، ج ۵، جزء ۹، ص ۸۷-۸۸، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۵ء۔

اور کبھی رات کی۔ خطرات دونوں میں ہیں۔ اس سلسلے میں کوئی اصول وضع نہیں کیا جاسکتا۔ دین دار مرد اور عورت فائدے اور نقصان اور خطر اور عدم خطر کا خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

یہ سوال کہ ولی یا شوہر کے عورت کی کفالت کرنے یا نہ کرنے سے اس معاملہ میں کوئی فرق پڑتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے۔ عورت کی کفالت کی ذمہ داری اس کے ولی یا شوہر کی ہے۔ اگر وہ اس ذمے داری کے ادا کرنے سے معذور ہیں، یا عملاً ادا نہیں کر رہے ہیں تو اس کے احکام دوسرے ہیں۔ اس سے ان کا یہ حق ساقط نہیں ہوتا کہ ان کی اجازت ہی سے اسے گھر سے باہر نکلنا چاہیے۔

سوال: ۶

خواتین کے لیے ملازمت کے سلسلہ میں شرعی حدود کیا ہیں؟

جواب:

اس ذیل میں تین اہم اصول سامنے آتے ہیں:

- ۱- مرد ہو یا عورت وہ ایسی ملازمت نہیں اختیار کر سکتے، جو شرعی نقطہ نظر سے ناجائز ہو، جیسے بینک کی ملازمت، یا شراب اور جوئے کا کاروبار، یا اسی نوعیت کے دوسرے کام، جن کی حرمت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔
- ۲- عورت کو اس کے ولی یا شوہر کی اجازت حاصل ہو۔
- ۳- عورت اور مرد کا اختلاط نہ ہو۔

سوال: ۷

ملازمت کرنے والی خواتین اگر ایسے اداروں میں کام کریں (خواہ تعلیمی ادارے ہوں یا دوسرے) جہاں خواتین ہی خدمت انجام دیتی ہوں اور کام کی جگہوں میں مرد نہ ہوتے ہوں، البتہ ادارے کے ذمہ دار مرد ہوں، تو اس صورت میں پردے کے کیا احکام ہوں گے؟

اگر عورت ایسی جگہ کام کرے جہاں مرد کارکن بھی ہوں تو اس وقت خاتون کارکنوں کے لیے پردہ کی کیا حدود ہوں گی؟ اس سلسلے میں کیا سن رسیدہ خواتین اور جوان نورتوں کے درمیان فرق ہوگا؟

جواب:

خواتین ایسے اداروں میں ملازمت کر سکتی ہیں جہاں خواتین ہی خدمت انجام دیتی ہوں، اور کام کی جگہوں میں مرد نہ ہوتے ہوں۔ مرد ذمہ دار ہوں تو شرعی حدود کے اندر ان سے بات ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں دو امور غور طلب ہیں، ایک کا تعلق عورت کے حدودِ حجاب سے ہے، دوسرا مسئلہ ہے عورت کا کسی غیر محرم سے بات کرنا۔

(الف) جہاں تک عورت کے حجاب کا تعلق ہے۔ اس کا حجاب از روئے شرع برے بدن کا ہے۔ وہ اپنے بدن کا کوئی حصہ کسی نامحرم کے سامنے نہیں کھول سکتی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ، فَإِذَا خَرَجَتْ عورت خود کو پوشیدہ رکھے۔ جب وہ باہر
اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ! نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکنے لگتا ہے۔

مطلب یہ کہ عورت کو پردے میں ہونا چاہیے۔ جب وہ اس سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اپنی کارروائی شروع کر دیتا ہے۔ اس میں خود عورت کے گم راہ ہونے یا کسی دوسرے کے گم راہ ہونے کا خطرہ ہے۔

فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ عورت کے چہرے اور ہاتھ کا بھی حجاب ہے یا وہ نامحرم کے سامنے انھیں کھول سکتی ہے؟ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے دونوں نقطہ نظر بیان کیے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھ بھی حدودِ حجاب میں شامل ہیں۔^۱ (اس عاجز کی بھی یہی رائے ہے)

۱۔ ترمذی، کتاب الرضاع، باب: ۱۸۔

۲۔ ابن قدامہ، المغنی: ۹/۳۹۸-۵۰۰۔

جب عورت کے پورے بدن کا حجاب ہے تو مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کے کسی حصہ بدن کو بلاوجہ دیکھے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

نظر الرجل الى الأجنبية من غير
سبب فانه محرم الى جميعها. ۱

اجنبی عورت کے پورے ہی جسم کو بغیر کسی سبب کے دیکھنا مرد کے لیے حرام ہے۔

اس کے ساتھ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عورت اپنا چہرہ اور ہاتھ وقت ضرورت اجنبی شخص کے سامنے کھول سکتی ہے اور وہ اسے دیکھ سکتا ہے۔
فقہ حنفی میں اس کے جواز کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:

وينظر من الأجنبية إلى وجهها
وكفيها فقط للضرورة. ۲

اجنبی عورت کے چہرے اور اس کی ہتھیلیوں کو آدمی صرف ضرورت کے تحت دیکھے گا۔

اس کے ساتھ تاتارخانیہ کے حوالے سے کہا گیا ہے:

النظر إلى وجه الأجنبية الحرة
ليس بحرام، ولكنه يكره لغير
حاجة. ۳

آزاد اجنبی عورت کے چہرے کو دیکھنا حرام تو نہیں ہے، لیکن بغیر کسی ضرورت کے دیکھنا مکروہ ہے۔

اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱- کسی خاتون سے آدمی نکاح کرنا چاہے تو حدیث میں آتا ہے کہ ممکن ہو تو اسے دیکھ بھی لینا چاہیے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إذا خطب أحدكم المرأة فان
استطاع أن ينظر إلى ما يدعوه إلى
نكاحها فليفعل. ۴

جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے رشتہ کرے تو ہو سکے تو اسے وہ اس قدر دیکھ لے جو اسے نکاح پر آمادہ کرے۔

۱ ابن قدامة، المغني: ۹/۴۹۸۔

۲ الدر المختار مع رد المحتار: ۹/۵۳۱، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۳ء۔

۳ حوالہ سابق: ص ۵۳۲۔

۴ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل ينظر الى المرأة وهو يريد تزويجها۔

اس سے مراد، جیسا کہ فقہ حنفی میں کہا گیا ہے، چہرہ ہے۔^۱
 علماء کا اس کے جواز پر اتفاق ہے۔^۲

۲۔ بعض اوقات عورت کو ہاتھ کلائیوں سے اوپر تک بھی کھولنے پڑتے ہیں۔
 چنانچہ خادما میں، جو اجرت پر روٹی اور کھانا پکاتی یا کپڑے دھوتی ہیں، ان کے ہاتھ عموماً
 کہنیوں تک کھلے رہتے ہیں، ان کا دیکھنا ناجائز نہیں ہے۔^۳

۳۔ مرض عورت کے بدن کے کسی بھی حصہ میں ہو، طیب اسے حسب
 ضرورت دیکھ سکتا ہے۔ اس میں ہاتھ اور چہرے کی قید نہیں ہے۔^۴

۴۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت سے کاروبار یا اجرت کا معاملہ ہو تو
 اس کے چہرے کو آدمی دیکھے گا، تاکہ اسے پہچان سکے اور نقصان ہو تو تاوان کا مطالبہ
 کر سکے۔ ایک روایت یہ ہے کہ امام احمد نے اسے ناپسند کیا ہے، یا بڑی بوڑھی عورت
 سے متعلق قرار دیا ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق اس سے ہے کہ آدمی عورت کو
 بے ضرورت دیکھے:

فاما مع الحاجة وعدم الشهوة لیکن جہاں ضرورت ہو اور شہوت نہ پائی
 فلا بأس به جائے تو دیکھنے میں حرج نہیں ہے۔

۵۔ اسی طرح باندیوں کے احکام حجاب میں رعایت ہے۔ المغنی میں ہے:

الأمة يباح النظر منها إلى ما يظهر لونڈی کے جسم کا جو حصہ عموماً کھلا رہتا
 غالباً لا ہے اس کا دیکھنا جائز ہے۔

۱۔ رد المحتار مع در المختار: ۵۳۲/۹۔

۲۔ ابن قدامہ، المغنی: ۴۸۹/۹۔

۳۔ الدر المختار مع رد المحتار: ۵۳۱/۹۔

۴۔ حوالہ سابق، ص ۵۳۳۔

۵۔ المغنی: ۴۹۸/۹۔

۶۔ المغنی: ۵۰۰/۹۔

۶- غلام اپنی مالکہ کے چہرے اور ہاتھ کو بغیر شہوت کے دیکھ سکتا ہے، شہوت ہو تو دیکھنا جائز نہ ہوگا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک غلام کا حکم محرم کا ہے۔ اس سے اتنی بات واضح ہے کہ عورت حسب ضرورت ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھ سکتی ہے اور مرد کے لیے اس کا دیکھنا جائز ہے، لیکن اس میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ اس سے شہوانی جذبات نہ مشتعل ہوں اور آدمی غلط روی نہ اختیار کرے۔

(ب) اب کسی نامحرم خاتون سے گفتگو کے مسئلہ کو لیجیے۔

فقہ حنفی کی رو سے عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے:

إن صوت المرأة عورة علی عورت کی آواز کا بھی راجح قول کے مطابق پردہ ہے۔

الراجع ۲۔

سلام کرنا سنت اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ اسی طرح چھینک کے بعد کوئی الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یوحکم اللہ کہنا سنت ہے۔ فقہاء احناف نے لکھا ہے:

ولا یکلم الأجنبیة إلا عجزاً
عطست أو سلمت فی شمتها لا یرد
السلام علیها ۳۔

اجنبی عورت سے، اگر وہ بوڑھی نہیں ہے،
تو آدمی بات نہیں کرے گا۔ اگر وہ چھینک کر
الحمد للہ کہے تو یرجمک اللہ کہے گا، لیکن اس

کے سلام کا زور سے جواب نہ دے گا۔

اس کے ساتھ ایک دوسری رائے بھی ملتی ہے، وہ یہ کہ:

یجوز الکلام المباح مع امرأة
اجنبی عورت کے ساتھ ایسی گفتگو کرنا جائز
ہے جو مباح ہے۔

أجنبیة۔

مزید کہا گیا ہے:

۱ الدر المختار مع رد المحتار: ۵۳۲/۹۔

۲ الدر المختار مع رد المحتار: ۵۳۱/۹۔

۳ حوالہ سابق۔

لا بأس بأن يتكلم مع النساء بما
لا يحتاج إليه وليس هذا من
الخوض في ما لا يعنيه، إنما ذلك
في كلام فيه اثم!

اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی عورتوں
کے ساتھ ایسی گفتگو کرے جس کی فی الواقع
حاجت نہیں ہے۔ یہ لایعنی گفتگو میں نہیں آتا،
لا یعنی گفتگو وہ ہے جس سے گناہ لازم آئے۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام اجنبی مرد اور عورت کے درمیان گفتگو پسند نہیں
کرتا، لیکن ساتھ ہی ضرورت کے وقت اس کی اجازت بھی موجود ہے۔ عورت احکام
شریعت معلوم کرنے کے لیے مفتی یا عالم کے پاس جاسکتی ہے، قاضی کی عدالت میں
حاضر ہو سکتی ہے اور شہادت دے سکتی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید نے ازواج مطہرات
کو جو ہدایت دی ہے وہ امت کی تمام خواتین کے لیے ہے:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ
الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَ قُلْنَ
قَوْلًا مَّعْرُوفًا (الاحزاب: ۳۲)

بات میں نزاکت اور نرمی نہ اختیار کرو
کہ جس کے دل میں روگ ہے وہ کوئی برا
خیال کرنے لگے اور معروف بات کہو۔

اس آیت میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی اجنبی یا نامحرم سے گفتگو
کرتے وقت عورت کو ایسا لوج دار اور نزاکت بھرا انداز نہیں اختیار کرنا چاہیے جس سے
کسی غلط کار اور بدباطن انسان کے دل میں کوئی برا خیال آنے لگے اور وہ اس سے کوئی
غلط توقع قائم کر بیٹھے۔ دوسری بات یہ کہی گئی کہ بات چیت 'معروف' کی ہو، اس دائرے
سے باہر نہ ہو۔ 'معروف' میں گو وسعت ہے، لیکن اسے بہر حال 'منکر' کے حدود میں نہیں
پہنچنا چاہیے۔

نامحرم عورت سے تنہائی میں ملاقات سے منع کیا گیا ہے، اس لیے کہ اس میں
شیطان کو در انداز ہونے کا موقع ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اس رائے کو نقل کرنے کے بعد ابن عابدین کہتے ہیں: فالظاهر انه قول آخر او معمول
علی العجوز۔ رد المحتار: ۹/۵۳۰-۵۳۱۔

لا یخلون رجل بامرأة الا كان
ثالثهما الشيطان۔^۱
کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ ہرگز
تہائی نہ اختیار کرے، اس لیے کہ (اس
صورت میں) شیطان ان دو کا تیسرا ہوتا ہے۔

جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس سے بھی خلوت میں ملاقات صحیح نہیں
ہے۔^۲ اس لیے آفس ہو یا کوئی دوسری جگہ، نامحرم سے ملاقات یا گفتگو کی اجازت نہیں
ہے۔ اس سے فساد کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ البتہ مجلس یا مجمع میں نامحرم مردوں سے گفتگو
اظہار خیال کی گنجائش ہے۔ فقہاء کے ہاں اجنبی عورت کے ساتھ محرم یا کوئی دوسرا قابل
اعتماد مرد یا ثقہ عورت ہو تو اسے خلوت نہیں کہا جائے گا۔^۳ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس
صورت میں نامحرم سے بات ہو سکتی ہے۔

(ج) جو ان عورت اور سن رسیدہ عورت کے احکامِ حجاب میں قرآن نے فرق

کیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرُجُونَ
نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَضَعْنَ
يَدَيْهِنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ط وَأَنْ
يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ط وَاللَّهُ سَمِيعٌ
عَلِيمٌ (النور: ۶۰)

اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کے کسی سے
نکاح کی توقع نہ ہو ان کو کوئی گناہ نہ ہوگا، اگر
وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار کر رکھ دیں،
بشرطیکہ وہ زینت کا اظہار نہ کریں۔ اگر وہ اس
سے بچیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ اللہ
تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

در مختار میں ہے: ایسی بوڑھی عورت سے، جس سے نکاح کی خواہش نہیں کی
جاتی، مصافحہ ہو سکتا ہے۔ کسی غیر اخلاقی حرکت کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے ہاتھ کو مس کیا
جاسکتا ہے، اس کے ساتھ سفر ہو سکتا ہے۔^۴

یہاں دو تین باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

۱- فقہاء کے ہاں نامحرم کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی گنجائش ضرور ملتی

۱۔ ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی کراہیۃ الدخول علی المغنیات - مسند احمد، مسند عمر بن
الخطاب، حدیث نمبر ۱۷۸ ۲ ابن قدامہ، المغنی: ۹/۳۹۰۔
۳۔ رد المحتار مع رد المحتار: ۹/۵۳۰۔ ۴۔ رد المحتار مع رد المحتار: ۹/۵۲۹۔

ہے، لیکن اس کا تعلق وقتی اور ہنگامی ضروریات سے ہے، اس لیے اسے قاعدہ کلیہ بنانے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

۲- گنجائش سے حسب ضرورت ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے اسے دیکھ سکتا ہے، مصافحہ نہیں کر سکتا، اسے ہاتھ میں لگا سکتا۔ قضا اور شہادت دینے کے لیے بھی قانونی ضرورت کے تحت اسے دیکھنے کی بازت ہے، چھونے کی نہیں۔ اس لیے اصول یہ بیان ہوا ہے: 'الضرورات تنقذ المرء'۔

۳- چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی، جو صورتیں بیان ہوئی ہیں ان میں یہ شرط موجود ہے کہ جنسی جذبہ یا محرک نہیں ہونا چاہیے، ورنہ اس کا جواز ختم ہو جائے گا۔ غلام اپنی لکھ کو بھی جنسی جذبہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ مالکہ جو ان ہو تو اسے دیکھنا نہیں چاہیے۔ باندی کے جسم کا، جو حصہ بالعموم کھلا رہتا ہے اسے دیکھنے کا جواز ہے، لیکن نڈی اگر خوب صورت ہے اور اسے دیکھنے سے جنسی جذبہ ابھر سکتا ہے تو اسے دیکھنا نہیں چاہیے۔

امام احمد فرماتے ہیں: مطلقہ کے ساتھ کھانا کھانا جائز نہیں ہے۔ اس پس منظر میں کسی خاتون کا سیلز گرل ہونا یا اسی نوع کا کوئی دوسرا کام کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں حدود و حجاب کی پابندی ممکن نہیں ہے۔ اس میں نامحرموں سے مسلسل ربط و تعلق اور ایک طرح کا اختلاط ہوتا ہے۔ کاروباری معاملات میں ایک کو متاثر کرنے کے لیے گفتگو میں دل ربائی کا انداز اختیار کرنا پڑتا ہے جسے جائز میں قرار دیا جاسکتا۔

در المختار مع رد المحتار: ۹/۵۳۳۔

حوالہ سابق، ص ۵۳۲

ابن قدامہ، المغنی: ۹/۳۹۸-۳۹۹

بعض غور طلب پہلو

اس پورے مسئلہ پر موجودہ حالات کے پس منظر میں غور کرنے کی ضرور ہے۔ حدیث میں عورت کو شوہر کے گھر کی منظمہ اور نگرماں کہا گیا ہے۔

المراة راعية علی بیت بعلمها و
ولده وهی مسئولة عنهم^۱
نگرماں ہے اور اس سے ان کے بارے میں
سوال کیا جائے گا۔

اس میں گھر کی دیکھ بھال، شوہر کے مال کی حفاظت، بچوں کی پرورش ا تربیت جیسے امور آتے ہیں۔ پہلے عورت اس کے لیے فارغ ہوتی تھی۔ بعض اوقات ک معاش میں تعاون بھی کرتی تھی۔ لیکن اب حالات کافی بدل گئے ہیں۔

۱- امور خانہ داری، کھانے پینے کی تیاری، گھر کی صفائی اور بچوں کی پرورش پہلے عورت کا کافی وقت صرف ہوتا تھا۔ غریب خاندان میں اس کا پورا وقت ہی لگ ج تھا، لیکن اب کم از کم شہری زندگی میں مشینی سہولتیں آگئی ہیں، جن کی وجہ سے ان کاموں میں اس کا بہت کم وقت صرف ہوتا ہے۔

۲- بچوں کی دیکھ بھال کے لیے آیا، ملازم یا ملازمہ ہوتی ہے۔ تین چار سا کی عمر ہی سے وہ نرسری، اسکول اور پھر کالج چلے جاتے ہیں۔ بعض حالات میں اسکو زندگی ہی سے ان کا قیام ہاسٹل میں ہوتا ہے۔

۳- زندگی گراں ہوگئی ہے، اخراجات بڑھ گئے ہیں، معیار زندگی بدل ہے۔ اس وجہ سے مرد کی آمدنی بالعموم ناکافی ہوتی ہے۔ اس صورت میں ایک بات یہ کہ جاسکتی ہے کہ میاں بیوی صبر و شکر اور قناعت سے کام لیں اور شوہر کی آمدنی پر اکر کریں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو عورت کوئی مناسب ذریعہ معاش اختیار کر سکے

۱ بخاری، کتاب العتق، باب کراہیۃ التطاول علی الرقیق۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلة الال العادل۔

تیار کرے اور بہتر زندگی گزارے۔

۴- بلاشبہ یہ مرد کا حق اور اختیار ہے کہ عورت کو کوئی ذریعہ معاش اختیار کرنے کی اجازت دے یا نہ دے، لیکن ایک تعلیم یافتہ خاتون کو، جس کے پاس وقت ہی ہو اور جو اپنے اور خاندان کی فلاح کے لیے کچھ کر بھی سکتی ہو، اس سے منع کرنا ذہنی و اور کش مکش کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس مسئلہ پر قانونی نقطہ نظر سے ہٹ کر ندانی فلاح و بہبود کے نقطہ نظر سے غور کرنا چاہیے۔

اس موضوع پر راقم نے اپنی کتاب 'اسلام کا عائلی نظام' مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی میں بھی بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو بحث 'عورت اور معیشت' اس بحث کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔



کتابیات

۱- قرآن مجید: منزل من اللہ

تفسیر

- ۲- ابن کثیر: ابوالفداء عماد الدین اسماعیل الدمشقی (م ۷۷۷ھ) تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: دکتور سید محمد سعید وغیرہ، دار الحدیث، القاہرہ
- ۳- قرطبی: ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری (م ۶۷۱ھ) الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی) دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۸ء

حدیث

- ۴- بخاری: ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ) الجامع الصحیح المسند من احادیث رسول اللہ وایامہ (صحیح بخاری)
- ۵- مسلم: ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری (م ۲۶۱ھ) صحیح مسلم
- ۶- ابوداؤد: سلیمان بن الاشعث السجستانی (م ۲۷۹ھ) سنن ابی داؤد
- ۷- ترمذی: ابویسٰیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ) جامع الترمذی
- ۸- نسائی: ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی (م ۳۰۳ھ) سنن النسائی
- ۹- ابن ماجہ: ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ القزوینی (م ۳۷۳ھ) سنن ابن ماجہ
- ۱۰- احمد: احمد بن حنبل الشیبانی (م ۲۴۱ھ)، المسند، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۴
- ۱۱- حاکم: ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ النیسابوری (م ۴۰۵ھ) المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
- ۱۲- ذہبی: شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (م ۷۴۸ھ) تلخیص المستدرک (المطبوع

- مع المستدرک) دائرة المعارف النظامية، حيدرآباد، دکن، ١٣٣٢ھ
- ١٣- داری: عبد اللہ بن عبدالرحمن السمرقندی (م ٢٥٥ھ) سنن الدارمی، دارالکتب العربی، بیروت، لبنان، ١٩٨٤ء
- ١٤- بخاری: محمد بن اسماعیل، الادب المفرد مع فضل اللہ الصمدی، الشیخ فضل اللہ الجیلانی، المطبعة السلفية وکتابتہا، القاہرہ، ١٣٤٨ھ
- ١٥- خطیب: ولی الدین محمد بن عبد اللہ التبریزی (م ٤٣٤ھ) مشکوٰۃ المصابیح
- ١٦- منذری: زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی (م ٦٥٦ھ) الترغیب والترہیب، تحقیق: ابراہیم شمس الدین، طبع بیروت، لبنان، ١٩٩٦ء

شرح حدیث

- ١٧- نووی: ابوزکریا یحییٰ بن شرف الدمشقی الشافعی (م ٦٤٤ھ) شرح صحیح مسلم، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ١٩٩٥ء
- ١٨- مناوی: محمد عبدالرؤف (م ١٠٣١ھ) التیسیر بشرح الجامع الصغیر، دارالطباعة العامرة، مصر، ١٢٨٢ھ
- ١٩- عظیم آبادی: محمد اشرف، عمون المعبود علی سنن ابی داؤد، مطبع انصاری، دہلی، ١٣٢٣ھ
- ٢٠- طحاوی: ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ الازدی المصری الحنفی (م ٣٢١ھ)، مشکل الآثار، دائرة المعارف النظامية، حيدرآباد، دکن، ١٣٣٣ھ

سیرت و تاریخ

- ٢١- محمد بن سعد (م ٢٣٠ھ): الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، لبنان
- ٢٢- ابن ہشام: ابو محمد عبدالملک (٢١٨ھ) السیرة النبویة، تحقیق: مصطفی السقا وغیرہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ١٩٩٢ء
- ٢٣- ابن عبدالبر: ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد القرطبی (م ٤٦٣ھ) الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، تحقیق: الشیخ علی محمد معوض وغیرہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ١٩٩٥ء
- ٢٤- ابن الاثیر: عز الدین ابوالحسن علی بن محمد الجزری (م ٦٣٠ھ) اسد الغابۃ فی معرفة الصحابة،

- ٢٥- ذهبي: شمس الدين ابو عبد الله (م ٤٢٨ هـ) سير اعلام النبلاء، تحقيق: محمد اسعد اطلس، دار المعارف، مصر، ١٩٦٢ء
- ٢٦- ابن حجر: احمد بن علي بن حجر العسقلاني (م ٨٥٢ هـ) الاصابة في تمييز الصحابة، تحقيق: الشيخ عادل احمد عبد الموجود وغيره، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ١٩٩٥ء
- ٢٧- ابن خلكان: ابو العباس شمس الدين احمد بن محمد بن ابى بكر (م ٦٨١ هـ)، وفيات الاعيان، تحقيق: محمد محي الدين عبد الحميد، مطبعة السعادة، مصر
- ٢٨- نووي: ابو زكريا يحيى بن شرف (م ٦٤٤ هـ) تهذيب الاسماء واللغات - ادارة الطباعة المنيرية - مصر

اسماء الرجال

- ٢٩- ابن حجر: احمد بن علي بن حجر العسقلاني (م ٨٥٢ هـ) تهذيب التهذيب، تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ١٩٩٢ء
- ٣٠- الخزرجي: صفى الدين احمد بن عبد الله، خلاصة تذهيب تهذيب الكمال في اسماء الرجال، تحقيق: محمود عبد الوهاب فائد، مطبعة الفجالة الجديدة، ١٩٤٢ء

فقه، اصول فقه، فتاوى

- ٣١- ابن قيم الجوزية: شمس الدين ابو عبد الله محمد بن ابى بكر (م ٤٥١ هـ) اعلام الموقعين عن رب العالمين، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ١٩٩٦ء
- ٣٢- ابن قدامة: ابو محمد عبد الله بن احمد بن محمد المقدسي (م ٦٢٠ هـ) المغني على مختصر الخزرجي، تحقيق: الدكتور عبد الله بن عبد الحسن التركي، مطبع حجر، القاهرة، ١٩٩٢ء
- ٣٣- مرغيناني: برهان الدين ابو الحسن علي بن ابى بكر (م ٥٩٣ هـ) الهداية شرح البداية (مختصر القدوري) كتب خانه رشيدية دہلي، ١٣٥٠ هـ
- ٣٤- زيلعي: جمال الدين ابو محمد عبد الله بن يوسف الكفشي (م ٦٢٤ هـ) نصب الراية مع الهداية، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ١٩٩٢ء

٣٥- ابن الصمام: كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي الحنفي (م ٦٨١هـ) فتح القدير، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ١٩٩٥ء

٣٦- هكفي: محمد علاء الدين (م ١٠٨٨هـ) الدر المختار في شرح تنوير الابصار (المطبوع مع رد المختار) ٣٧- ابن عابدين: محمد امين بن عمر بن عبدالعزيز عابدين الدمشقي (م ١٢٥٢هـ) رد المختار على الدر المختار، تحقيق: عادل احمد عبد الموجود والشيخ علي محمد معوض، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، ١٩٩٣ء

٣٨- ابن الحاج: ابو عبد الله محمد بن محمد بن محمد العبدري الفاسي المالكي (م ٤٣٤هـ) المدخل، المطبعة المصرية بالازهر، ١٣٢٨هـ

